لیس للانسان الا ما سعیٰ

روزگار

جسمیں

حصول ملازمت کی تدابیر اور ملازمت پیشہ لوگونکی

ترقی و خوشحالی کی کامیاب عملی صورتیں بتائی گئی ہیں

از

ترجمان فطرت مولانا سید ظہور احمد صاحب

مدیر رسالہ تجلی دہلی

صنعت و تجارت
۳۲

سنہ ۱۹۲۹

باہتمام

منیجر تجلی بکڈپو دہلی

تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی

۷۸۶

روزگار

GOVT. ... LIBRARY
ACC. No. 529
Date
ALWAR

بیکاری کے اسباب

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ بیکاری کے شاکی ہیں اور ان کی یہ شکایت تین تین چار چار سال تک رہتی ہے۔ ان سے پوچھئے کہ ملازمت کیوں نہیں ملتی تو وہ نہایت دردناک الفاظ میں اپنی داستان سناتے ہیں کہ ملازمت کیونکر ملے سرکاری نوکری کے لئے شرط ہے کہ باقاعدہ امتحان پاس کیا ہو۔ عمر کم ہو یہاں دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ اب نوکری کرنی چاہتے ہیں تو وہ بھی نہیں ملتی۔ ہر شخص یہ سوال کرتا ہے کہ انگریزی جانتے ہو یا نہیں۔ آخر تھک کر بیٹھ رہتے ہیں۔ میں ایسے کئی آدمی جانتا ہوں جو سالہا سال سے محض اس بنا پر بیکار بیٹھے ہیں یا کوئی اچھی ملازمت حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں کہ انگریزی سے ناواقف ہیں۔ ان کی کامیابی کے لئے کسی باقاعدہ سند کی ضرورت نہیں تھی صرف اس قدر درکار تھا کہ وہ معمولی طور پر انگریزی ہندی سے واقف ہوں مجھے ان لوگوں کی حالت پر سخت افسوس آتا ہے جنہوں نے جتنا زمانہ محض اسوجہ سے بیکاری میں بسر کر دیا کہ وہ انگریزی نہیں جانتے اتنے زمانہ میں وہ اعلیٰ درجہ کے انگریزی داں بن سکتے تھے۔ ایک بیوقوف آدمی بیکاری

کی حالت میں تین سال تک اپنے گھر بیٹھا رہتا ہے لیکن وہ عقل وہمت سے کام لے تو اتنے عرصہ میں بآسانی میٹریکولیشن کا امتحان پاس کرسکتا ہے۔ اگر امتحان پاس نہ کرے صرف انگریزی زبان پڑھنی چاہے تو یقیناً ایکسال میں کافی معلومات حاصل کرسکتا ہے اسی طرح بعض لوگ ہندی نہ جاننے سے۔ بعض لوگ تجارتی حساب کتاب میں ناواقف ہونے سے۔ بعض لوگ ٹائپ سے آگاہ نہونے پر اچھی ملازمت اور ترقی سے محروم رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں چند ماہ کی محنت وتوجہ سے حاصل ہوسکتی ہیں۔

بیکاری عامہ کا ایک بڑا سبب جو میں نے معلوم کیا ہے یہ ہے کہ لوگ اپنی حیثیت سے زیادہ تنخواہ کی ملازمت کی خواہش کرتے ہیں حالانکہ میں اس صورت میں بھی آدمی کی بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ اسے اسکی حیثیت کے مطابق تنخواہ ملجائے۔ دیکھو اگر تم ایک روپیہ لیکر بازار میں جاؤ اور تمہاری خواہش ہو کہ لوگ تمہیں دو روپیہ کا مال دیدیں تو یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر تم سراندیپ اور مالابار کے ساحل پر پہنچکر روپے سے دو روپے کا کام نکالنا چاہو گے تو شاید تمہیں کامیابی ہوجائے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو اپنی قابلیت سے زیادہ آمدنی کے خواہشمند ہیں۔ ملازمت کرنے والوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی شخص اتنا فیاض نہیں ہے کہ کسی کو اپنی جیب سے کچھ بخشدے۔ دنیا کی تمام جدوجہد معاوضہ کے اصول پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شخص تم کو ملازم رکھتا ہے تو اچھی طرح دیکھ لیتا ہے کہ تم اس کے لئے کس حد تک مفید ہو اگر اس نے یہ قیاس کیا کہ تمہاری ذات سے اسے بیس روپیہ ماہوار کی آمدنی ہوگی تو وہ تمہیں بمشکل دس روپے دیگا اور دس روپے اپنی سرمایہ داری کا حق سمجھے گا۔ پس اگر تم میں بیس روپے ماہوار کمانے کی صلاحیت نہیں ہے تمہاری قیمت بازار میں دس روپے سے زیادہ کیونکر قرار پاسکتی ہے۔

پہلے اپنی قیمت کا اندازہ کرو اور پھر اس کے مطابق تنخواہ کی نوکری تلاش کرو
قیمت کا صحیح اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم اپنی صفات کے لوگوں پر غور کرو۔
کہ انہیں کیا تنخواہ مل رہی ہے۔ ان لوگوں میں جسے کم سے کم تنخواہ مل رہی ہو وہی تمہاری
قیمت ہے وہ شخص جو تم سے کم لیاقت رکھتا ہے اور اس کی آمدنی نہایت معقول ہے
قابل توجہ نہیں کیونکہ دنیا میں ہزارہا آدمی بخت و اتفاق اور مواقع سے فائدہ اٹھا کر
عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں بازار میں نہیں ملتیں۔ پس ان لوگوں
کی مثالیں سامنے رکھکر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ اگر ان کی آمدنی کا مطالبہ
کروگے تو تمام عمر ناکامی میں گذر جائے گی تم ان فلاکت زدہ، بدنصیب محنتی آدمیوں
کی زندگی پیش نظر رکھو جو بالکل تمہاری طرح قابلیت اور اہلیت رکھتے ہیں اور پھر دیکھو
کہ ان کی آمدنی کیا ہے تم کو سردست اسی آمدنی پر قناعت کرنی چاہیئے۔ اس طرح
بیکاری محض کی تکالیف دور کر کے بخت و اتفاق کی مدد چاہو اور مواقع کی تلاش کرو۔
خوش نصیب تو وہی ملازم ہے جو اتنی کافی قابلیت رکھتا ہو کہ اس کی کم سے کم
تنخواہ بھی ضروریات کے لئے کافی ہو سکے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو ملازمت جاتے رہنے
سے رنج نہیں پہنچتا اور ایک ملازمت جاتے رہنے کے بعد بآسانی دوسری ملازمت
ملجاتی ہے جنکی آمدنی انکی قابلیت و حیثیت سے زیادہ ہوتی ہے وہ راتدن ملازمت کے
استحکام و بقا کی طرف سے غیر مطمئن رہتے ہیں اور آخر ایک دن ملازمت جاتی رہتی ہے تو
انہیں شدید صدمہ کا سامنا ہوتا ہے اور پھر عرصہ دراز تک وہ اس تلاش میں بیکار رہتے
ہیں کہ پہلے کی طرح کوئی زرخیز ملازمت پھر ہاتھ آئے۔ ممکن ہے کہ بیوقوف اور طامع
لوگ ایسی ملازمت کو جو تفکرات اور اندیشوں سے لبریز ہے پسند کریں لیکن ایک عقلمند اور
عاقبت اندیش آدمی تو کبھی اسکو پسند نہیں کر سکتا کیونکہ ایسی ملازمت میں راحت کو وہ امن و
آسودگی نصیب نہیں ہوتی جو تمام دنیوی جدوجہد اور کامیابی کا آخری نتیجہ ہے۔

حصول ملازمت کی تدابیر

جب تم کو ملازمت کی جستجو ہو اور مقامی طور پر حصول ملازمت میں کامیابی نہ ہوتی ہو تو یہ نہ کرو کہ آنکھ بند کر کے سوچے سمجھے بغیر سفر کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور تن بتقدیر کسی طرف چل کھڑے ہو جو لوگ اسطرح سفر کرتے ہیں وہ عموماً سخت پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان لایعنی کوششوں کا انجام اکثر اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ پردیس میں کافی طمانیت دہی دشوار ہے ہر شخص بے اعتبار سمجھتا ہے اور انسان کی صحیح حالت وحیثیت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ملازمت خواہ ٹھیک طور پر ایسے لوگوں کے پاس نہیں پہنچتا جنہیں اس جیسے ملازم کی ضرورت ہے اور اس لئے اس کی قیمت خاطر خواہ نہیں اٹھتی۔ پس ایسی حالت میں کہ ملازمت کا ملنا دشوار ہو سب سے آسان تدبیر یہ ہے کہ اپنے مطلب کے اشخاص کا علم حاصل کر کے ان سے خط وکتابت کی جائے۔ خط وکتابت کی صورت یہ ہے کہ اپنا مفصل حال تحریر کرو۔ اپنا عیب وہنر اچھی طرح واضح کرو۔ تمہاری آسانی کے لئے ذیل میں ایک خاکہ لکھا جاتا ہے جس سے تمہیں اندازہ ہو گا کہ کس طرح تفصیلی حالات قلمبند کرنے چاہئیں دانشمند آدمی کا فرض ہے کہ ملازمت کے وقت اپنے تمام حالات صحیح طور پر بیان کر دے۔ جو لوگ اپنی بے کمالی کو چھپاتے ہیں یا کمال کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں انھیں آخر کار پشیمان ہونا پڑتا ہے۔ اور جب عملی امتحان کا وقت آتا ہے اور انکے جھوٹے دعوے باطل قرار پاتے ہیں تو انکے تعلقات ناگواری کے ساتھ منقطع ہو جاتے ہیں۔

نام	عمر	قومی	وطن	تعلیمی حالت	تنخواہ کا کرنے کی	تنخواہ مطلوبہ	کس صوبہ میں	دیگر امور جن کا اظہار ضروری ہے۔
عبداللطیف	۳۰ سال اور سطور کے		بریلی	اردو فارسی اور تھوڑی قدر انگریزی	چار سال تک نواب مظفر خاں کے ہاں عدالتی کام پر مامور رہا۔ دو سال تک فرنٹیئر ایجنسی کے ہاں تحریری خط و کتابت کا کام کیا۔	۵۰ روپیہ ماہوار	صرف صوبجات متحدہ کے کسی شہر میں ملازمت مقصود ہے	مثلاً ہاتھ پاؤں میں کوئی نقص ہو۔ کوئی مرض ہو۔

اس نقشہ کی خانہ پری کر کے لوگوں کو بھیجو۔ اگر اپنے مخصوص حالات کی بنا پر کوئی اور بات لکھنی ہو تو ایک دو خانے اور بڑھا لو۔ امید ہے کہ کہیں نہ کہیں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ انگریزی داں طبقہ کا معمول ہے کہ وہ انگریزی اخبارات کے اشتہاری صفحات کو جن میں "وانٹیڈ" کی سرخی سے ملازموں کی خواہش کیجاتی ہے غور سے پڑھتا ہے، اور بعض اوقات یہ محنت بار آور بھی ہو جاتی ہے بدقسمتی سے اردو میں اب بھی شدید ضرورت کے باوجود اس بات کا رواج نہیں ہوا۔ تم اپنی ضرورت کی بنا پر اسے رواج دو۔ جو نقشہ اوپر درج کیا گیا ہے اسے مختصر تمہید کے ساتھ مثلاً یہ کہ ایک شخص کو جو صفات ذیل رکھتا ہے ملازمت کی ضرورت ہے۔ اخبار

میں شائع کرو۔ اس مقصد کے لئے کوئی ایسا اخبار انتخاب کرو جو اس صوبہ میں جہاں ملازمت کرنی ہے زیادہ شائع ہوتا ہو۔ ورنہ ایک دو کثیر الاشاعت اخبارات میں شائع ہو جانا بھی کافی ہے۔

اگر اشتہار دینے سے تمہارے پاس مختلف مقامات سے مانگ آئے اور کئی (آفر) جمع ہو جائیں تو ان میں سے ایک انتخاب کر لو۔ یاد رکھو کہ روزانہ اخبارات کا نتیجہ کم و بیش پندرہ دن میں۔ ہفتہ وار اخبارات کا نتیجہ ایک ماہ میں اور ماہانہ رسائل کا نتیجہ ڈیڑھ دو ماہ میں نکلتا ہے پس اتنی مدت تک تمہیں انتظار کرنا چاہیئے ایسا نہ کرو کہ ایک ہی خط آنے پر فیصلہ کر لو اور اس کے بعد جب دوسرے خطوط اس جگہ سے بہتر دستیاب ہوں تو اپنے فیصلہ پر نادم ہونا پڑے۔

کام کا انتخاب

ہمارے قومی افلاس کا بڑا سبب یہ ہے کہ قومی افراد کا بیشتر حصہ بیکاری کے مرض میں مبتلا ہے یا ایسے کاموں میں مصروف ہے جن کو بیکاری کے قریب سمجھنا چاہیئے۔ جو لوگ بیکار ہیں ان کی بیکاری زیادہ تر اس امر پر مبنی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو کارآمد بنانے کی کوشش نہیں کی یا وہ تلاش روزگار کی غلط صورتیں اختیار کرتے ہیں اور اس لئے حصول ملازمت میں ناکام رہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے یہ اوراق شائع کئے جاتے ہیں اور امید ہے کہ ان کے مطالعہ اور ان کی مندرجہ ہدایتوں پر عمل کرنے کے بعد بہت سے بیکار باکار بنجائیں گے۔

جب تم بیکار ہو اور تم کو ملازمت کی جستجو ہو تو سوچے سمجھے بغیر تلاش معاش میں سرگرداں نہو کیونکہ اس بے قاعدہ اور غلط کوشش کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا۔

سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ تمہارے اندر کس قسم کی قابلیت ہے تم کن کاموں سے واقف ہو۔ تم کس دفتر میں کام کر سکتے ہو اور جس دفتر میں کام کر سکتے ہو۔ اس میں کونسی جگہ تمہارے لئے موزوں ہو سکتی ہے۔ پس اس جگہ کے لئے کوشش کرو بعض لوگ ایسے ہیں جو صرف نوشت و خواند سے واقف ہیں۔ خواہ وہ گریجوایٹ ہی کیوں نہوں لیکن انھوں نے کسی دفتر یا کسی کاروبار کی کوئی خدمت انجام نہیں دی ہے۔ اور اس لئے وہ کسی کام سے واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ باوجود ناواقفیت ہر جگہ کوشش کرتے ہیں اور جن کاموں کو انہوں نے سُنا بھی نہیں ان کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اول تو انہیں ملازمت نہیں ملتی اور اگر کوئی موقع ملجاتا ہے تو وہ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتا۔

پس ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنی اہلیت صلاحیت اور لیاقت پر نظر ڈالو اور اس کے بعد اُسی حیثیت کی ملازمت تلاش کرو۔ تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ اور وہ کامیابی ہمیشہ قائم رہیگی۔ بعض حریص اور ناعاقبت اندیش لوگ جن کے مزاج میں انصاف نہیں ہوتا اپنے لئے اپنی حیثیت سے بالاتر ملازمت تلاش کرتے ہیں۔ ان کو کسی نہ کسی طرح کامیابی تو ہو جاتی ہے لیکن جب تک انکی ملازمت قائم رہتی ہے ان کو اپنی ناقابلیت کی وجہ سے افسروں کی خوشامد کرنی پڑتی ہے اور وہ اشخاص جو ان سے زیادہ لیاقت رکھنے کے باوجود تکلیف کی زندگی بسر کر رہے ہیں اُن کو قدرۃً بری نظر سے دیکھتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملازمت کا امیدوار کسی فن میں کمال رکھتا ہے جہاں اس نے بود و باش اختیار کی ہے وہاں اس کے کمال کی ضرورت اور قدر نہیں ہے۔ پس ایسی حالت میں اسے چاہئے کہ ان مقامات میں ملازمت حاصل کرے جہاں اس کے ہنر کی مانگ ہو۔ اور اگر کسی خاص شہر یا قصبہ ہی میں رہنا

ضرور ہو تو کوئی ایسا کام سیکھنا چاہیئے جو اس جگہ کارآمد ثابت ہو۔
اگر آمدنی خرچ کے لیے کافی نہو تو ناجائز وسائل اور رشوت ستانی کی جگہ حتی المقدور خرچ کو محدود کرنے کی کوشش کرو اور اپنی آمدنی کو جائز طور پر بڑھاؤ آمدنی بڑھانے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ اپنے کارہائے متعلقہ میں نمایاں مشاقی حاصل کرو۔ ہمیشہ ایسی ملازمتیں حاصل کرو جن میں مفید کام سیکھنے اور کارآمد باتوں کے معلوم کرنے کا موقع ملے۔ تاکہ دماغ کی یہ تربیت آگے چل کر سودمند ثابت ہو اور ہر نئی جگہ کام آئے۔

محنت اور توجہ

جب میں دیکھتا ہوں کسی شخص کو کہ اسکی ملازمت پر ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور اس اثنا میں اس نے کسی قسم کی ترقی نہیں کی وہ جس طرح سال بھر پہلے پچیس روپیہ ماہوار کماتا تھا اسی طرح آج بھی پچیس روپیہ کماتا ہے وہ جس طرح سال بھر پہلے اپنے آقا یا اپنے افسر کی نظر میں اجنبی تھا اسی طرح آج بھی اس کی اجنبیت باقی ہے تو مجھے یقین آجاتا ہے کہ اس شخص میں ترقی کی صلاحیت بالکل خوابیدہ ہے۔ سال بھر میں زمین کا ایک ناہموار قطعہ لالہ زار بن جاتا ہے۔ سال بھر میں ایک درخت کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے لیکن حیف ہے انسان پر کہ وہ سال بھر پہلے جہاں ہو وہیں سال بھر بعد نظر آئے اور اس کی حالت میں کوئی خوشگوار انقلاب پیدا نہ ہو۔ اگر سال بھر تک ملازمت کرنے کے بعد تم ترقی نہیں کر سکے تو غور کرو کہ آخر اس ناکامی کا کیا سبب ہے۔ تین باتیں ہیں جو ایک ملازم کی ترقی میں سدراہ ہوتی ہیں۔

(۱) جو کام تمہیں سپرد کیا گیا ہے اس کی انجام دہی کی قابلیت تم میں نہ ہو۔

(۲) تم کام تو کر سکتے ہو لیکن کما حقہ محنت نہیں کرتے۔ جی چراتے ہو اور محض وقت گذاری کرتے ہو۔

(۳) تم کام بھی جانتے ہو اور محنت بھی کرتے ہو لیکن تم بد اخلاق ہو شیریں الفاظ اور نرم لہجہ سے تمہاری گویائی محروم ہے۔

صرف یہ تین باتیں انسان کی ملازمت کے میدان میں آگے نہیں بڑھنے دیتیں۔ اگر تم ملازم ہو اور ترقی میں ناکام رہے تو یقیناً انہیں باتوں میں سے کوئی بات تم میں پائی جاتی ہے۔ پس تم اپنی حالت کا اندازہ کرو۔

اگر تم کار مفوضہ سے ناواقف ہو اور اسے جس قابلیت سے انجام دینا چاہیئے اس قابلیت سے انجام نہیں دے سکتے تو اس عیب کو بہت جلد اپنی ذات سے دور کر دو۔ اس میں شک نہیں کہ اگر دماغ اچھا نہ ہو اور عقل تیز نہ ہو تو بعض کاموں پر آسانی کے ساتھ عبور حاصل نہیں ہوتا لیکن یاد رکھو کہ دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جس میں انسان مہارت حاصل نہ کر سکے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ذہین آدمی تھوڑی محنت اور تھوڑے وقت میں اس کام کا ماہر بن جائے گا اور معمولی عقل والے کو زیادہ محنت اور زیادہ وقت درکار ہوگا اگر تم غور کرو گے تو تمہیں صدہا ایسے گریجوایٹ نظر آئیں گے جن کو فطرت نے گھاس چھیلنے کے لئے وضع کیا تھا لیکن وہ اپنی بے عقلی اور کند ذہنی کے باوجود لگاتار محنت کی بدولت مستند تعلیم یافتہ بن گئے۔ پس اگر تم محنت اور توجہ سے کام لو گے تو جو کام تمہیں سپرد کیا گیا ہے اسے کچھ عرصہ میں سیکھ لو گے اور پھر رفتہ رفتہ اس کام میں تمہیں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل ہو جائے گی۔

اگر تم کو قدرت نے عقل و دماغ عطا کیا ہے اور تم کار مفوضہ کو انجام دینے

کی قابلیت رکھتے ہو لیکن اس کے باوجود محنت میں کوتاہی کرتے ہو تو اس نقص کو رفع کرو۔ جب نفس کاہل اور آرام طلب ہو جاتا ہے تو انسان محنت سے جی چرانے لگتا ہے۔ تم نفس کو ترقی اور مالی فارغ البالی کا لالچ دو۔ عزت نیکنامی اور شہرت کا سبز باغ دکھا۔ کثرت مصارف کی اپیل پیش کرو۔ اور اُسے محنت کے لئے آمادہ کرو۔ منفعت کی توقع میں بڑے بڑے کاہل اور سست لوگ مستعد بن جاتے ہیں اور اسی طرح زوال و تخفیف کا خوف دست و پا میں توانائی کی روح پھونک دیتا ہے۔ تم محنت کی عادت ڈالو۔ عادت کا فلسفہ بھی عجیب ہے۔ اگر تمہیں محنت کی عادت ہو گئی تو پھر بے کار بیٹھنا ناگوار ہو گا۔ محنت تین روز تک بہت شاق گزرتی ہے پھر بدن کے اعصاب جب سمجھ لیتے ہیں کہ مفر کی کوئی صورت نہیں تو راہ راست پر آجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایسے خوگر ہو جاتے ہیں کہ اگر محنت چھوڑ دو تو ان کی رنجیدگی کا باعث ہوتا ہے۔ پس تم محنت سے نہ گھبراؤ اور آزمائش کرو کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ کس حد تک صحیح ہے۔

اب رہا یہ عیب کہ تم بد اخلاق ہو ایسا عیب نہیں جو کوشش سے دور نہ ہو سکتا ہو۔ بد اخلاق آدمی کا خوش اخلاق بنا مشکل تو ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ جب آقا یا افسر سے بات کرو تو پہلے یہ سوچ لو کہ تمہاری اور اسکی حالت میں کیا فرق ہے۔ تمہاری بُرائی اور بھلائی کس حد تک اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ تم سے خوش ہو تو تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے اور اگر تم سے ناخوش ہو تو کس قدر مضرت رساں ثابت ہو سکتا ہے۔ اس بات پر بھی غور کرو کہ نرم اور سخت لہجہ اور شیریں اور تلخ الفاظ کی طاقت میں کیا فرق ہے اور جب تم دیکھو کہ شیرینی اور تلخی دونوں پر تمہیں یکساں اختیار ہے تو شیرینی کے مقابلہ میں تلخی کو کبھی پسند نہ کرو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ تم اپنی زبان سے ایک بات کہکر دوسرے

کو اپنا گرویدہ کر سکتے ہو اور تم زبان سے ایک بات کہکر دوسرے کو متنفر کر سکتے ہو مجھے امید ہے کہ حالات میں اسقدر خوشگوار انقلاب پیدا ہونے کے بعد تمہارے لئے ترقی کی راہیں کھلجائینگی اور اگلے سال جب تم اپنی حالت کا موازنہ کرنے بیٹھوگے تو نمایاں فرق محسوس کروگے لیکن تم ان عیوب کو جو تمہاری ترقی میں سد راہ ہو رہے ہیں دور نہیں کروگے تو تمام عمر اسی حالت میں رہوگے بلکہ ممکن ہے کہ یہ حالت بھی قائم نہ رہ سکے۔

کام میں مشاقی کی کوشش

ملازمت پیشہ اشخاص کا دستور ہے کہ وہ اپنی قدامت اور ملازمت پر زیادہ زمانہ گزرنے کی بنا پر ترقی کے طالب ہوتے ہیں لیکن ان کا یہ مطالبہ چنداں صحیح نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ دس سال پہلے کسی دفتر میں ڈسپیچنگ کلرک کی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار تھی اب دس سال کے بعد ایک نیا کلرک رکھا جاتا ہے تو اسے بھی یہی تنخواہ دیجا سکتی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ قدامت کی بنا پر کسی شخص کو زیادہ تنخواہ دیجائے۔ زیادہ زیادہ زمانہ گزرنے سے تنخواہ اور ملازمت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا البتہ ایک ملازم اگر اس نے توجہ اور محنت سے کام لیا ہے تو اپنے تجربہ کار اور وسیع المعلومات ہوجانے کی وجہ سے زیادہ تنخواہ پا سکتا ہے۔ پس ایک ملازم کو غور کرنا چاہئے کہ چار پانچ سال یا دس سال ملازمت کرنے کے بعد اس نے کیا ترقی کی۔ آیا وہ اپنے معاملات متعلقہ میں پہلے سے زیادہ ہوشمند و تجربہ کار ہے اور اس نے کافی معلومات حاصل کرلی ہے؟ اگر ایسا ہے تو بیشک اُسے ترقی کا طالب ہونا چاہئے لیکن ایسے صدہا ملازم ہیں جن کی حالت میں دس سال کے بعد بھی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

پہلے دن ان کی جو حالت تھی دس سال کے بعد بھی وہی حالت ہے ایسے اشخاص کسی ترقی کے مستحق نہیں ہیں۔ اور ان کو عموماً اپنے مطالبات میں ناکامی ہوتی ہے۔

جو لوگ ملازمت میں ترقی کرنا چاہتے ہیں ان کو امتداد ایام کی بنا پر ترقی کا طالب نہیں ہونا چاہیئے۔ فرض کرو کہ تم ایک دفتر میں ملازم ہو اس دفتر میں چار آدمی اور کام کرتے ہیں جو نسبتاً تم سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔ تم کو چاہیے کہ اپنے کار متعلقہ سے پوری واقفیت کرو جو پوری مشق محنت اور توجہ کے ساتھ چند ماہ میں حاصل کیجا سکتی ہے۔ اپنے کام سے فارغ اور مطمئن ہو کر دفتر کے دیگر ملازمین کے کاموں کو دیکھو اور کسی سے کچھ کہے بغیر ان کو بطور خود سیکھو۔ اگر تم ذہین اور شوقین ہو تو معمولی غور و محنت کے ساتھ چند روز میں ہر ایک کام سے آگاہ ہو سکتے ہو۔ عملی لیاقت حاصل کرنے کے لئے تمہیں کام بھی کرنا چاہیئے۔ دوسرے کلرک بڑی خوشی کے ساتھ اپنا کام دیدیں گے۔

سال دو سال گزرنے کے بعد تمہارے اندر یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ تمہیں جس کلرک کی جگہ متعین کیا جائے گا اس کا کام تم بآسانی انجام دے سکو گے۔ اپنی اس لیاقت کو تم مخفی نہ رکھو بلکہ اپنے مالکان سے ظاہر کرو۔ تاکہ جب کوئی جگہ خالی ہو تو سب سے پہلے انتخاب کی نظر سے تم کو دیکھیں۔ جو لوگ تھوڑے عرصہ میں معمولی ملازمت سے بڑے عہدہ پر پہنچ جاتے ہیں ان کی ترقی و کامیابی کا یہی راز ہے۔ پس اگر تم کچھ سے کچھ بننا چاہتے ہو تو کامیابی کے ان راستوں کو جلد سے جلد طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاؤ اور بخت و اتفاق کے ساتھ ساتھ محنت اور کوشش سے بھی امداد طلب کرو۔

استقلال اور تلون

صرف استقلال ہے جس کی بدولت دنیا کا کام چلتا ہے۔ ایک کاشتکار اگر جلد باز اور طبیعت میں صبر و تحمل کا مادہ نہ رکھتا ہو تو اس کو اپنے مقصد میں کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تخم ریزی کے بعد وہ چاہے کہ فوراً درخت اگ آئے تو کیونکر ممکن ہے۔ درخت اگ آنے کے بعد اس کی خواہش ہو کہ فی الفور پھل پھول نکل آئیں تو یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک باغبان اپنے لگائے ہوئے پودے کے پھل کھانا چاہتا ہے تو اسے ایک معین عرصہ تک صبر و قرار کے ساتھ انتظار کرنا پڑیگا اور اس عرصہ سے پہلے اگر وہ کامیابی کا خواستگار ہوگا تو فائدہ کی جگہ نقصان اٹھائے گا۔ بالکل یہی حالت ملازمت پیشہ اشخاص کی ہے۔ جن لوگوں کے مزاج میں صبر و انتظار کا مادہ نہیں ہے اور جو چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں "روم کا ملک" آباد ہو جائے وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی عادت کا دوسرا نام تلون ہے۔

جب تم کسی جگہ ملازمت کرتے ہو تو ہر حیثیت سے اجنبی ہوتے ہو آقا تمہاری ذات اور تمہاری قابلیتوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ اسے خبر نہیں کہ تم وفادار اور نمک حلال ہو یا بے وفا۔ وہ نہیں جانتا کہ تم اپنے فرائض کو کماحقہ انجام دیسکتے ہو یا نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان باتوں کا ثبوت دینے سے پہلے تم کامیابی و ترقی کے مقصد میں کیونکر کامیاب ہو سکتے ہو۔ عالمگیر کی ہدایت آدھی دنیا کو معلوم ہے کہ "خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم" اس لیے بدگمان آقا سالہا سال گزر جانے اور ملازم کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ دیکھنے پر بھی مطمئن نہیں ہوتے اور غریب ملازموں

کو تمام خوبیاں اپنے اندر رکھنے کے باوجود اپنے سخت امتحانات کے نتائج کا عرصہ دراز تک منتظر رہنا پڑتا ہے۔ تم نے ملازمت کی ہے تو تمہیں وہ سب کچھ کرنا پڑے گا جو ایک ملازم کے لئے ضروری ہے۔ تمہیں جو امتحانات دینے ہیں وہ ایک دن میں یا ایک ماہ میں ختم نہیں ہو سکتے۔ آقا کے دل پر اپنی وفاداری اور نمک حلالی کا نقش بٹھانے کے لئے الفاظ کا زور کافی نہیں ہے۔ بہرحال صبر و انتظار کے ساتھ جب تم اپنی لیاقت اور اہلیت کا ثبوت دے چکو تو ترقی کی امید کو دل میں جگہ دو۔ وقت سے پہلے گھبرا کر ملازمت ترک نہ کرو۔ میں نے ایسے متلون المزاج لوگ دیکھے ہیں جو وقت سے پہلے ہمت ہار جاتے ہیں اور ترقی کا زمانہ آنے سے پہلے ترقی کی طرف سے ناکام ہو کر ملازمت چھوڑ دیتے۔ میں ایک صاحب سے واقف ہوں جنہوں نے پچاس سال کی عمر میں کم از کم ڈیڑھ سو نوکریاں کی ہیں۔ وہ اچھی مستقل اور حسب پسند ملازمت مل جانے کے بعد بھی ملازمت کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اگر انہیں سو روپے ماہانہ کی مستقل ملازمت مل گئی ہے اور اس کے بعد ایک سو پانچ روپے کی کوئی جگہ حاصل ہو سکتی ہے تو وہ فوراً پہلی ملازمت چھوڑ کر دوسری ملازمت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ کبھی کسی تجارتی دفتر کے منیجر ہوتے ہیں کبھی کسی اسکول کے ماسٹر۔ کبھی کسی اخبار کے ایڈیٹر۔ کبھی کسی انجمن کے سکریٹری۔ اس تلون کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی بالکل ناکام ہے۔ ان پر کسی شخص کو اعتماد نہیں اور تیس سال کی جدوجہد کے باوجود انکے پاس ایک پیسہ موجود نہیں ہے۔ جس وقت یہ حضرت اسکول لائف ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اسکول میں پچیس ۲۵ روپے ماہانہ پر ملازم ہوئے تھے اس وقت ان کا ایک کلاس فیلو بھی اسی تنخواہ پر نوکر ہوا تھا۔ آج وہ تین سو روپے ماہوار کماتا ہے۔ ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے اور بیس پچیس ہزار روپے کی جائداد کا مالک ہے۔ لیکن یہ بیچارے ایک قومی مدرسے میں

ستر روپے ماہوار پا رہے ہیں اور ملازمت جاتی رہے تو پہلے دن سے نان شبینہ کو محتاج ہو جائیں۔ یہ سب استقلال اور تلون کے کرشمے ہیں۔ پس جو لوگ ملازمت کے ذریعہ سے اپنی زندگی کامیاب بنانا چاہتے ہیں انہیں اپنی طبیعت میں استقلال پیدا کرنا چاہیئے اور صبر و استقامت کے ساتھ ابتدائی شدائد کا مقابلہ کر کے مسرت و کامیابی سے بہرہ اندوز ہونا چاہیئے لیکن خوب یاد رکھو کہ مستقبل کو اچھی طرح جانچ لینے کے بعد استقلال مناسب ہے ورنہ فائدہ کی جگہ نقصان ہو گا۔ اگر ملازمت میں گنجائش نہیں ہے یا آقا ناقدر شناس اور مفاد پرست ہے تو مستقل مزاجی سے منفعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تم کو چاہیئے کہ پہلے اچھی ملازمت تلاش کرو اور پھر کامل استقلال کے ساتھ کامیابی و ترقی کا انتظار کرو۔

آقا کے ساتھ اتحاد خیال

کسی دن تم ایک تاجر کی دوکان پر جا بیٹھو۔ اور صبح سے شام تک جس قدر گاہک آئیں ان کی حالت پر غور کرو تمہیں نظر آئے گا کہ ہر گاہک کے ساتھ تاجر کا طریق عمل جدا ہو گا۔ کسی سے وہ سیدھے منہ بات نہیں کرے گا۔ کسی سے نرمی اور ملاطفت کے ساتھ پیش آئے گا اور کسی کو تپاک سے بٹھا کر چائے اور پان وغیرہ کی تواضع کرے گا۔ بظاہر اس فرق مراتب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ سب گاہک یکساں ہیں سب اسکو قیمت ادا کر کے مال خریدتے ہیں۔ لیکن غور و خوض کے بعد معلوم ہو گا کہ اس تفریق کا باعث وہ باطنی اور روحانی اختلاف ہے جو ایک شخص دوسرے شخص سے رکھتا ہے جو شخص اس تاجر سے باطنی اختلاف رکھتا ہے، اس کے ساتھ خشک برتاؤ ہے اور جو شخص باطنی اتفاق رکھتا ہے اس کے ساتھ

دوستی اور محبت کا طریق عمل اختیار کرتا ہے۔

تاجر اور گاہک پر موقوف نہیں۔ دنیا کی ہر دو ہستیوں میں یہ اصول جاری ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات اس وقت تک خوشگوار نہیں ہو سکتے جب تک باہم طبعی مناسبتیں یکساں نہوں۔ دوست ایکدوسرے کے ساتھ اس وقت تک دوستی نباہ نہیں سکتے جب تک آپس میں میلان و مناسبت کا اتحاد نہ رکھتے ہوں طبعی مناسبت اور فطری میلان کا اتحاد ہی ایک ایسی طاقت ہے جو دو جدا ہستیوں کو ایک دوسرے سے مربوط و متحد بنا دیتا ہے۔ تم دنیا میں جسقدر اختلافات اور جسقدر بے اعتمادی کے واقعات دیکھو گے ان کی تہ میں یہ طبعی مناسبت کا اختلاف نظر آئے گا۔

آقا اور ملازم میں بھی طبعی مناسبت کا متحد ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر یہ نازک تعلق مستحکم نہیں ہو سکتا۔ آقا اور ملازم، افسر و ماتحت میں تعلقات اسی بنا پر محدود یا ناگوار رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات ختم ہو جاتے ہیں کہ وہ فطری میلان میں ایکدوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آقا پابند شریعت ہے صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے اور اوامر و مناہی کا پورا لحاظ رکھتا ہے لیکن نوکر کی زندگی نہایت غیر محتاط ہے۔ وہ بے دھڑک مذہبی احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ممنوعات شرعی سے اسے مطلق احتراز نہیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ آقا اور نوکر کے درمیان کبھی اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ اس اتحاد کا خیال کئے بغیر ملازمت اختیار کر لیتے ہیں وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتے ان کے اور ان کے آقا کے درمیان ہمیشہ اختلاف کی ایک خلیج حائل رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب آقا اور ملازم میں اتحاد خیال نہیں تو تعلقات میں وسعت اور استواری کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے ارباب ملازمت کا فرض ہے کہ ملازمت

اختیار کرنے سے پہلے آقا کی طبعی مناسبت اور اندرونی حالت دریافت کرلیں اور پھر اپنی ذات سے موازنہ کرکے ملازمت کا فیصلہ کریں۔ عام طور پر لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ آقا کی بدمزاجی۔ بدمعاملگی وغیرہ کی تحقیقات کرتے ہیں لیکن فطری میلان کی تفتیش سے چشم پوشی کرتے ہیں جس کے معلوم ہو جانے کے بعد تمام خطرات سے نجات ملجاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ جو دو شخص فطری مناسبت میں اتحاد رکھتے ہوں، ان میں باہم کبھی بدمعاملگی اور بدمزاجی کے واقعات پیش نہیں آسکتے۔ ساری دنیا کے ساتھ ان کا طریق عمل کیسا ہی کیوں نہو لیکن وہ آپس میں ایکدوسرے کے ہوا خواہ ہوں گے اور ایکدوسرے کے ساتھ دیانت داری کا برتاؤ کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتحاد مناسبت نے ان کی ذات کو ایسا مشترک کردیا ہے کہ انکے اغراض و مقاصد اور فوائد بھی مشترک ہو گئے ہیں۔

آقا کی نظر میں اعتماد

کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی کا التفات ایاز کے متعلق دیکھکر تمام غلامان شاہی رشک کرتے تھے۔ ایک دن سلطان نے اپنے ہاتھ سے ایک خربزہ تراشا۔ اس کی ایک قاش ایاز کو عنایت کی۔ ایاز نے حکم سلطانی کے مطابق اس قاش کو کھالیا۔ اس کے بعد دیگر غلاموں کو ایک ایک قاش عطا کی لیکن انہوں نے اس قاش کو چکھ کر چھوڑ دیا۔ سلطان نے سبب پوچھا تو عرض کیا کہ نہایت تلخ ہے۔ سلطان نے ایاز سے پوچھا کہ تم نے خربزہ کی تلخی محسوس نہیں کی؟ ایاز نے دست بستہ عرض کیا کہ محسوس تو کی لیکن خربزہ کو چھوڑتے ہوئے مجھے شرم آئی اور میں نے خیال کیا کہ جس آقا کے لطف و کرم سے شب و روز طرح طرح کی لذیذ نعمتیں

کھاتا ہوں، اگر ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے ایک تلخ قاش عطا ہوئی ہے تو اسکے کھانے میں کیونکر پس و پیش کروں۔ محمود نے غلاموں کی طرف دیکھکر فرمایا کہ یہی بات ہے جس نے ایاز کو ممتاز کیا ہے اور اسلئے تمہارا رشک و حسد بے جا ہے۔

کیا احسانمندی کا ایسا زبردست جذبہ رکھنے کے بعد بھی کوئی ملازم اپنے آقا کو خوش نہیں رکھ سکتا؟ جب تم اپنے آقا کی طرف سے تلخ بات سنو تو اسے صبر و تحمل کے ساتھ انگیز کرو اور اپنے دل کو اس طرح سمجھاؤ کہ جس آقا کے لطف و کرم اور حسن اخلاق سے تم کو ہزار طرح کے فوائد اور راحتیں حاصل ہیں اگر ایک دفعہ اس کی طرف سے نامہربانی کا سلوک ہو تو وہ قابل برداشت ہے اگر تم ایک دفعہ اپنے آقا کی تلخ بات گوارا کر لوگے تو یقیناً اس کے دل میں تمہاری طرف سے بڑی گنجایش پیدا ہو جائے گی۔ اور اسے اعتماد ہو گا کہ اب اس شخص کے ساتھ میرا رشتہ ایسا مستحکم ہو گیا ہے جو معمولی کشاکش سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ باپ بیٹے کو برا کہتا ہے۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو برا کہتا ہے اور ان کا فرض ہے کہ اس تلخی کو گوارا کریں۔ آقا اور ملازم کے درمیان جو فرق مراتب ہے وہ بھی اس کا مقتضی ہے کہ ملازم آقا کی تلخی و ترشی کو برداشت کرے۔ تمہارا آقا کیسا ہی بے حس کیوں نہو لیکن پھر انسان ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہاری طرف سے تحمل و رواداری ہو اور اس کے دل پر اثر نہو اور تمہارے لئے ترقی کی راہیں نہ کھلیں۔

ایک آقا کے پاس چند ملازم تھے وہ ایک ملازم کو زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ دوسرے ملازم اس امتیاز کو ناپسند کرتے تھے اور رشک کی آگ مشتعل رہتی تھی۔ آقا کو بھی اس بات کی خبر تھی۔ ایک دفعہ شہر میں پرانے چاولوں کا ایک سوداگر اونٹوں پر مال بار کئے ہوئے وارد ہوا۔ آقا نے باری باری ہر ملازم کو بھیجا کہ جا کر چاولوں کو نرخ دریافت کرے چنانچہ جب ملازمین آگئے تو اس نے ہر ایک سے

دریافت کیا کہ کیا جواب لائے انہوں نے کہا کہ چاولوں کا یہ نرخ ہے اور خاموش ہو گئے۔ جب آقا نے اپنے خاص ملازم سے دریافت کیا تو اس نے اپنی جیب سے چار پڑیاں نکالکر اور کھولکر آقا کے سامنے رکھیں ہر ایک کا نرخ بتایا اور یہ بھی سمجھایا کہ کون چاول کتنے عرصہ کے ہیں اور کس ملک کی پیداوار ہیں۔ دو چار روپیہ کی خریداری پر نرخ یہ ہوگا اور زیادہ خریداری پر نرخ میں اسقدر فرق ہو جائیگا اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان نمونوں کو شہر کے بازار سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک روپیہ میں چار آنہ کا فائدہ ہے۔ یہ مفصل جواب سنکر آقا نے دیگر ملازمین کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم لوگ اس شخص سے ناحق رشک کرتے ہو۔ میں اسکی لیاقت اور سمجھ بوجھ سے جو تم میں نہیں پائی جاتی خوش ہوں اور اسے عزیز رکھتا ہوں اور اس کا ثبوت تمہارے سامنے موجود ہے۔

اپنے کار متعلقہ کو دانشمندی اور ہوشیاری سے کماحقہٗ انجام دینا ہی ایک ایسی صفت ہے جو ملازم کو آقا کی نظر میں قابل اعتماد اور ممتاز قرار دیتی ہے تم اپنے فرائض کو بے پروائی سے انجام دیکر یہ امید نہ رکھو کہ آقا تم سے خوش ہوگا اور تم پر اعتماد کرے گا۔ اگر تم اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو ترقی کا خیال بھی فضول ہے۔

ایک معمولی لیاقت کے آدمی نے اپنی جاں نثاری اور وفاداری کی بناء پر خسرو دکن کے حضور میں غیر معمولی رسوخ حاصل کیا اور رفتہ رفتہ ایک منصب جلیلہ پر ممتاز ہو گیا۔ اس کی جاں نثاری کا ایک ادنےٰ نمونہ یہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ جمجاہ کے ہمراہ شیر کے شکار میں شریک تھا۔ شیر ایک پر پیچ غار میں موجود تھا۔ بادشاہ کو ضد تھی۔ آخر اس اہلکار نے کمر میں رسی باندھی اور ہاتھ میں بندوق لیکر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ مجھے اس رسی کے ذریعہ سے غار میں لٹکا دو ایسا ہی کیا گیا

اور اس بہادر آدمی نے شیر کو شکار کر لیا۔ اگر وہ جاں نثاری کی اعلیٰ صفت نہ رکھتا ہوتا تو اس خطرناک خدمت کے لئے کبھی آمادہ نہ ہوتا اور بادشاہ کی خواہش کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر تم اس خیال سے کہ تمہارا آقا بادشاہ نہیں جان و صحت کو خطرہ میں نہ ڈالو تو کم از کم اتنی وفاداری اور مستعدی ہی دکھاؤ جتنی آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔ اور پھر دیکھو کہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے کیسی گنجایش پیدا ہوتی ہے۔ کیا خلوص و نیاز کے بغیر تم چاہتے ہو کہ آقا کے دل میں تم گھر پیدا کر لو یہ ناممکن ہے۔ اور جب تک تم اپنے طریق عمل سے اخلاص و وفا کا ثبوت نہ دو گے اس وقت تک ترقی دشوار ہے۔

اطاعت

ملازمت کرنے والوں کے لئے دیگر صفات کے علاوہ اطاعت بھی بہت ضروری ہے۔ بعض اوقات اطاعت ہی آدمی کی ترقی کا زبردست ذریعہ بنجاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دیگر صفات میں جو کمی ہوتی ہے وہ بھی بعض اوقات اطاعت سے پوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص زیادہ ہوشمند ہے لیکن نافرمان ہے تو وہ آقا کی نظر میں اتنا محبوب نہ ہوگا جتنا وہ شخص جو کم ہوشمند ہے لیکن زیادہ مطیع ہے۔ ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ وہ نہ کچھ ذہین و طباع تھے۔ اور نہ کچھ تعلیم یافتہ تھے۔ انگریزی میں مڈل کا امتحان پاس کیا تھا وہ دس روپیہ ماہوار پر ایک زمیندار کے لڑکوں کو پڑھانے پر ملازم ہوئے۔ آدمی خوش مزاج و مطیع تھے اور اپنے فرائض کو محنت و دیانت سے انجام دیتے تھے۔ رئیس مذکور ان سے اس قدر مانوس اور رضامند ہوا کہ ان کی ترقی کے لئے تدابیر سوچنے لگا۔ حسن اتفاق

سے بندوبست کا محکمہ کھلا۔ افسر سے رئیس مذکور کے تعلقات تھے۔ اس نے اُن صاحب یعنی منشی حامد علی کی سفارش کی۔ اور ان کو بندوبست میں پندرہ روپے ماہوار پر جگہ مل گئی۔ انھوں نے حسب معمول اپنی کارگذاری اور اطاعت شعاری سے اپنے افسروں کو اس قدر رضامند کیا کہ جگہ خالی ہونے پر بندوبست کے ڈپٹی صاحب نے ان کو اپنا اہلمد بنا لیا۔ تین سال تک یہ محکمہ قائم رہا۔ جملہ ملازمین تخفیف میں آگئے۔ منشی حامد علی بھی بیکار ہو گئے لیکن ڈپٹی صاحب کو ان کا بہت خیال تھا اور یہ بھی بیکار ہونے کے بعد بھی ان کو اپنا افسر سمجھتے رہے اور حاضر باشی میں کمی نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈپٹی صاحب نے ان کے لئے بیحد کوشش کی اور وہ کلکٹری میں ایک سال امیدوار رہ کر مستقل ملازم ہو گئے۔ چند سال کے بعد ان کو اہلمدی پر مامور کیا گیا۔ اور مختلف مجسٹریٹوں کے پاس کام کرنے کے بعد کلکٹر کے اجلاس میں اہلمد مقرر ہوئے۔ کلکٹری میں بہت زیادہ کام تھا۔ اتفاق سے سررشتہ دار ناقابل تھا۔ منشی حامد علی نے کام پر قابو حاصل کیا۔ اگر یہ دو تین دن کی رخصت حاصل کرتے تو کلکٹر کو تکلیف محسوس ہوتی۔ رفتہ رفتہ وہ سررشتہ دار سے بڑھکر ان کا لحاظ کرنے لگا اور ان کی محنت و دیانت اور اطاعت سے اسقدر رضامند ہوا کہ اس نے اپنے دل میں ان کی فائدہ رسانی کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ کلکٹر کی کوشش سے منشی صاحب ایک دم سررشتہ دار رکھر نائب تحصیلدار ہو گئے۔ وہی روح جو انکی ترقی کا باعث ہوئی تھی۔ یہاں بھی کام کر رہی تھی ضلع کے تمام حکام ان کے مداح تھے۔ نائب تحصیلداری پر زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا۔ کہ وہ تحصیلدار بنائے گئے اور پانچ سال تحصیلدار رہنے کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو گئے اپنی ملازمت کا زمانہ نیکنامی کے ساتھ گذار کر اب پنشن پا رہے ہیں اور امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ منشی صاحب کے ایک دوست نے دریافت کیا

کہ آپ دس روپے کی ملازمت سے ترقی کر کے کیونکر ڈپٹی کلکٹر بن گئے۔ انھوں نے جواب میں مسکرا کر کہا کہ صرف ایک چیز نے مجھے اسقدر کامیاب بنا دیا اور وہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے افسروں کی اطاعت و فرمانبرداری کا لحاظ رکھا اور ان کے احکام کی تعمیل میں خواہ کیسی ہی دقت کیوں نہ پیش آئی ہو لیکن میں نے سرتابی نہ کی۔

جو لوگ ترقی کے طالب ہیں ان کو منشی صاحب کی زندگی سے سبق لینا چاہیے اور اپنی طبیعت میں اطاعت کا مادہ پیدا کر کے کامیابی کی طرف بڑھنا چاہیے

دیانتداری

ملازمت پیشہ اشخاص کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے کہ ان میں دیانتداری کی صفت بدرجہ اتم پائی جاتی ہو۔ وہ ملازم جو دیانتدار نہیں ہے بالکل اس پھول کے مانند ہے جو خوشبو نہیں رکھتا۔ بلکہ اس چراغ کے مشابہ ہے جس میں روغن نہیں ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے قدرتی حرص و طمع سے قطع نظر کر کے بددیانتی کا سب سے بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ ملازم کی آمدنی اس کے مصارف کو کافی نہیں ہوتی۔ ایک شخص جو دس آدمیوں کا کنبہ رکھتا ہے۔ شادی و غم کی تباہ کن رسوم میں گھرا ہوا ہے اور ہر طرح کے دنیوی اخراجات اس کے ذمہ ہیں۔ اگر تیس روپیہ تنخواہ پائے گا تو ظاہر ہے کہ زندگی کی دشوار گذار منزلوں کو طے نہیں کر سکتا۔ اب اس کے لئے صرف تین صورتیں ہیں یا وہ قرض لے یا بددیانتی کرے یا خودکشی کے لئے تیار ہو جائے بددیانتی ان تینوں صورتوں میں زیادہ آسان ہے اور اس لئے وہ لازمی طور پر

بد دیانتی کا مرتکب ہوگا۔ تنخواہ یا آمدنی کی کمی کے ذمہ دار آقا نہیں ہیں اور وہ اس کے بھی ذمہ دار نہیں ہیں کہ تنخواہ مقررہ میں ملازم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔ ذمہ داری تمامتر ملازم پر عائد ہوتی ہے۔

پس جب تم ملازمت کرنا چاہو تو سب سے پہلے یہ دیکھ لو کہ تمہیں جو تنخواہ مل رہی ہے وہ تمہاری ضرورتوں کو اسقدر محدود کر سکتے ہو یا نہیں کہ وہ کافی ہو سکے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی تمہارے امکان میں نہ ہو تو پھر تم یہ ملازمت ہرگز اختیار نہ کرو کیونکہ چند روز میں تمہیں ایسی ضروریات پیش آئیں گی کہ تم بد دیانتی پر مجبور ہو جاؤ گے۔

جب تم نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ ایک رقم تمہاری ضرورتوں کے لئے کافی ہے اور تم نے اس پر رضامند ہو کر ملازمت اختیار کر لی تو پھر بد دیانتی کی صورت میں اس رقم سے زیادہ کا طالب ہونا اور ناجائز وسائل سے آمدنی بڑھانے کی کوشش کرنا ایک طرح کی خباثت اور کمینگی ہے اور ایسی حالت میں ایک ملازم کو اپنی ترقی کی کبھی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ ملازمت کیسی ہی معمولی اور سادہ قسم کی ہو لیکن اس میں دیانت کی آزمائش کے موقعے نکل ہی آتے ہیں سررشتہ تعلیم کی ملازمت کیسی صاف ستھری معلوم ہوتی ہے اور بظاہر اس میں بد دیانتی کی گنجائش نظر نہیں آتی لیکن جب سالانہ امتحان کا موقع آتا ہے تو ایک بد دیانت کارکن فیل ہونے والے لڑکوں کو پاس کر کے یا اونچی جماعت میں جگہ دیکر ناجائز فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح بعض دولتمند طالب علم اساتذہ کو وقتاً فوقتاً تحائف دیتے رہتے ہیں۔ ان تحائف کی بنا پر استاد ان کی طرف زیادہ التفات کرتا ہے اور غریب طالب علم اس کی شفقت سے اتنا مستفید نہیں ہوتے یہ بھی بد دیانتی ہے۔

بد دیانتی کا تعلق روپے پیسے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اگر ایک ملازم مقررہ وقت سے کم کام کرتا ہے تو اسے بھی بد دیانتی کہا جائے گا اگر وہ اپنے مفوضہ کام میں اتنی توجہ اور اتنی طاقت صرف نہیں کرتا جتنی صرف کر سکتا ہے تو یہ بھی اس کی بد دیانتی ہے۔

میں نے دیانتدار ملازمین کے ایسے قصے سنے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں دوسروں کے لئے مایۂ عبرت رہیں گے۔ ایک صاحب کا قاعدہ تھا کہ وہ اوقات ملازمت کے دوران میں کبھی اپنا پرائیویٹ کام نہیں کرتے تھے اور اس اثنا میں اگر کوئی ان کا عزیز یا دوست آجاتا تو اس سے بات کرنی انہیں ناگوار ہوتی تھی

ایک صاحب ایک دفتر میں ملازم تھے۔ اسٹیشنری کا ایک بڑا اسٹاک ان کے قبضہ میں رہتا تھا لیکن وہ کبھی کوئی چیز اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے کبھی کوئی پرائیویٹ خط بھی دفتر کے کاغذ پر نہیں لکھا۔ اگر اپنے ذاتی معاملات کے متعلق دفتر میں کوئی درخواست دینی ہوتی تھی تو گھر سے لکھ کر لے جاتے تھے۔

ایک صاحب کی عادت تھی کہ اگر ان کی طبیعت ذرا بھی ناسازیا تکان زدہ ہوتی تھی تو وہ ملازمت پر نہیں جاتے تھے اور چھٹی حاصل کر لیتے تھے اس سے ان کا منشا یہ تھا کہ ناسازی طبیعت کی وجہ سے اپنے فرائض کماحقہ ادا نہ کر سکینگے اور اس لئے ان کا معاوضہ دیانتداری کے خلاف ہوگا۔

ایک صاحب ان دوکاندار سے جو ملازمت کی بنا پر ان کے زیر اثر تھے سودا نہیں لیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اثر اور حکومت کی وجہ سے انہیں عام شرح سے ارزاں اور بہتر اشیا ملیں گی اور یہ بد دیانتی ہوگی۔

میں نے جن لوگوں کے واقعات لکھے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ثروت، عزت اور ترقی عطا کی کہ اگر وہ بد دیانت ہوتے تو یہ بات کبھی حاصل نہ ہوتی۔ پس اپنے ملازمت پیشہ احباب سے جو ترقی کے طالب ہیں درخواست کرونگا کہ وہ اپنی موجودہ حالت اور طرز ملازمت پر غور کریں۔ اگر ان میں کوئی خامی ہو تو اس کی تلافی کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اپنے اندر دیانتداری کی زریں صفات پیدا کریں پھر دیکھیں کہ وہ کسقدر جلد ترقی اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

آقا کا کام اپنا کام سمجھنا

ملازمت پیشہ جماعت کے اکثر افراد فریادی ہیں کہ ان کی قدر نہیں کیجاتی آقا ان سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ کبھی اپنی حالت پر غور نہیں کرتے۔ کتنے ایسے نوکر ہیں جو فی الحقیقت اپنے فرائض پوری ایمانداری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اور آقا کے کام کو اپنے کام کی طرح انجام دیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ملازمت کیا ہے؟ ملازمت کے معنی ہیں بالمعاوضہ نیابت۔ ایک شخص اپنی مصروفیت، آرام طلبی یا کسی اور وجہ سے ملازم رکھتا ہے۔ اگر ملازم نہ ہو تو وہ اپنا کام خود انجام دے۔ پس ظاہر ہے کہ اس کا منشا ملازم رکھنے سے یہی ہے کہ اسکے کام اسی دلسوزی، ہمدردی اور مستعدی کے ساتھ انجام دئے جائیں جس طرح وہ خود انجام دیسکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ملازمت پیشہ جماعت میں ایسے کتنے آدمی ہیں جو اپنے آقا کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کرتے ہوں۔

ایک ملازم کا نصب العین صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح تیس دن پورے

ہوں اور تنخواہ مقررہ اُسے ملجائے - بہت کم ایسے ملازم ہیں جن کو یہ احساس ہو کہ ہم آقا سے جو کچھ وصول کر رہے ہیں اس کا معاوضہ کام کی صورت میں دے رہے ہیں یا نہیں - اگر ملازم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ وہ اپنے معاوضہ کے بقدر آقا کو فائدہ پہنچاتا رہے تو آقا کے لئے وہ کبھی بار نہیں ہو سکتا - دفتروں میں جاکر دیکھو کہ ملازمت پیشہ کلرک کس طرح وقت گذاری کرتے ہیں انکی حالت بالکل مکتب کے کمسن لڑکوں کے مانند ہوتی ہے - انھیں کام سے بالکل دلچسپی نہیں ہوتی - ان کا قلم اس طرح چلتا ہے جس طرح گاڑی کو بیل لیکھ پر بادلِ ناخواستہ گھسیٹتے ہیں - ان کی نگاہ بار بار کلاک سے دوچار ہوتی ہے - اور اس جیلخانہ سے چھوٹنے کے لئے وہ دل ہی دل میں گھنٹوں اور منٹوں کو شمار کرتے رہتے ہیں - ایسے ملازمت پیشہ اشخاص تمام عمر کسی دفتر میں ملازم رہنے کے باوجود کوئی ترقی نہیں کر سکتے - کیونکہ ان میں جوش نہیں ہے محنت و مستعدی نہیں ہے اور یہ احساس نہیں کہ تنخواہ کے بقدر آقا کا کام انجام نہ دینا دیانت کے خلاف ہے -

ہر ملازم کا فرض ہے کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک بات ہمیشہ ملحوظ رکھے - یعنی وہ ہر کام کو اس طرح انجام دے جس طرح اس کو اس کا آقا انجام دیتا - یا وہ ہر کام کو اس طرح انجام دے جس طرح اپنے ذاتی کام کو انجام دیسکتا ہے میں نے اکثر ملازموں کو دیکھا ہے کہ وہ ادنے تفریحی ضرورت پر رخصت حاصل کرتے ہیں معمولی نزلہ زکام میں چھٹی لیتے ہیں اور انہیں اسکی مطلق پروا نہیں ہوتی کہ آقا کا کام برباد ہوگا - اگر ان کا ذاتی کام ہو تو وہ کبھی اس طرح وقت ضائع نہ کریں اور تفریح و آرام طلبی کو کام پر مقدم سمجھیں -

چند ایسے ملازمت پیشہ اشخاص میری نظر میں ہیں جو اپنے ادنیٰ فائدہ

کی امید پر آقا کا بڑے سے بڑا نقصان کر دینے پر طیار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آقا نے انہیں ایک نہایت ضروری خط دیا ہے کہ ڈاک میں بھجوا دیں۔ انھیں ٹکٹ کی ضرورت ہے وہ لفافہ سے ٹکٹ چھڑا کر لفافہ چاک کر دیں گے اور آقا کو اطمینان دلا دیں گے کہ خط ڈاک میں ڈال دیا گیا۔ مثلاً ایک مکان کی فروخت کا معاملہ ان کے سپرد کیا گیا۔ وہ کوشش کریں تو مکان پانچہزار کو فروخت ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک شخص انہیں دو سو روپے دے رہا ہے اس لئے وہ مکان کو چار ہزار میں فروخت کریں گے اور اس طرح دو سو کی منفعت میں مالک کو ایک ہزار کا نقصان پہنچا دیں گے۔

اگر ناخواندہ جاہل اور ادنیٰ طبقہ کے ملازمین اس طرح کی بددیانتی کے مرتکب ہوں تو ایک حد تک معذور کہا جا سکتا ہے لیکن کسقدر قابل افسوس یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ، شریف النسب اور ضرورت کے لائق آمدنی رکھنے والے ملازم بھی ایسی خفیف حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ان حالات کے ماتحت ملازمت پیشہ جماعت کی فریاد کہ آقا انکی قدر نہیں کرتے کس قدر قابل سماعت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض انسان ناقدر شناس ہیں۔ لیکن میں ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ دیانت و وفاداری کے چند امتحان پتھر کو پانی کر دیتے ہیں اور جوہر قابل کو کبھی شکایت نہیں ہوتی کہ اسے پہچانا نہیں گیا اس کی قدر نہیں کی گئی۔ پس جو لوگ ملازمت کی حالت میں ترقی اور قدر دانی کے طالب ہیں ان کو لازم ہے کہ اپنی ذات میں محنت و مستعدی، فرض شناسی اور دیانتداری کی اعلیٰ صفات پیدا کریں۔ ملازمت کے اوقات میں آقا کی نیابت کا پورا حق ادا کریں پھر دیکھیں کہ ان کو اپنے مقاصد میں کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔

ترقی کا استحقاق

تم عرصہ سے ملازمت کر رہے ہو۔ ترقی کے خواستگار ہو۔ لیکن ابتک تمہیں ترقی نصیب نہیں ہوئی۔ حالانکہ تمہارے دیکھتے ہوئے ان لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ ہو گیا جو تم سے بہت دنوں بعد ملازم ہوئے تھے تم ان حالات کی بنا پر اور اپنی محرومی نصیب پر نالاں ہو اور اس ناانصافی پر سخت برہم ہو لیکن اے میرے دوست کبھی تم نے غور کیا کہ ترقی کا حق کیونکر قائم ہوتا ہے؟ کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ محض امتداد ایام اور قدامت سے ترقی کے حقوق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر تم نے یہ سمجھا ہے تو غلط سمجھا ہے۔ اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ ترقی کا حق کیونکر مسلم ہوتا ہے۔ سنو، جب تم نے ملازمت کی تو تمہیں پچاس روپیہ ماہوار پر ملازم رکھا گیا۔ اس وقت تمہاری قابلیت کی یہی قیمت تھی۔ اس واقعہ پر تین سال کا زمانہ گذر گیا۔ اب تم دیکھو کہ اس تین سال کے زمانہ میں تم نے اپنی قابلیت میں کس حد تک ترقی کی؟ جس حد تک تم زیادہ قابل ہو گئے ہو اسی حد تک تم ترقی کے مستحق ہو۔ اگر تمہاری قابلیت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا اور تم آج بھی اسی حالت میں ہو جس حالت میں تین سال قبل تھے تو ترقی کا مطالبہ سراسر ناجائز ہے۔

ایک ملازم کی قابلیت اور قیمت میں تین باتوں کی بنا پر اضافہ ہوتا ہے اور اسی بنا پر وہ ترقی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ کار مفوضہ کے متعلق تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آقا یا افسر متعلقہ کا مزاجداں

ہو جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ آقا یا افسر کو اس کی ذات پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ اگر اس ملازم کو خوش نہ رکھا گیا اور تنخواہ میں مناسب اضافہ نہ کیا گیا اور اس نے ملازمت چھوڑ دی تو ایک نئے آدمی سے کام لینا پڑیگا جو بالکل ہی ناتجربہ کار ہوگا۔ مزاج سے ناواقف ہوگا، حالات سے ناآشنا۔ کسی طرح اسکی ذات پر اعتماد نہیں کیا جاسکیگا۔ اور اس لئے جو کام اس قدیم الخدمت ملازم سے نکل سکتا ہے وہ اس سے ناممکن ہے۔

اب تم اپنی حالت پر غور کرو کہ تم نے اتنے زمانۂ ملازمت میں یہ صفات اپنے اندر پیدا کیں یا نہیں۔ اگر تم اب بھی پہلے کی طرح ناتجربہ کار ہو۔ اگر تمنے اپنے آقا کی مزاجدانی کی مشق بہم نہیں پہنچائی۔ اور اگر تم نے اپنی ذات کے متعلق اعتماد و اعتبار قائم نہیں کیا تو تم کیونکر اپنے آپ کو ترقی کا مستحق سمجھتے ہو۔

ایک ملازم جو معقول پسند ہو مطالبۂ ترقی سے پہلے اپنے استحقاق پر غور کرتا ہے اور استحقاق قائم کرنے کے لئے وہ اپنے کام کو پوری محنت اور توجہ کے ساتھ انجام دیتا ہے اسے جو خدمت سپرد کیجاتی ہے اس کے لئے ہر طرح اپنے آپکو اہل ثابت کرتا ہے کام کی تمام جزئیات اور کلیات سے واقفیت پیدا کرتا ہے اور اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں اس کام کا ماسٹر بنجاؤں اور اسے یوں انجام دوں کہ کوئی دوسرا شخص مجھ سے بہتر طور پر انجام نہ دیسکے۔ جب وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو معاصرین اس کی لیاقت مان جاتے ہیں اور آقا یا افسر کے دل میں گنجائش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یقین کرنے لگتا ہے اور جانتا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ بس وہ ہر طریقہ سے اسکو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک ہوشمند اور ترقی کا خواستگار ملازم جس طرح خدمات مفوضہ میں اپنے آپ کو اہل اور قابل ثابت کرتا ہے اسی طرح وہ اپنی تمام دماغی قابلیتیں آقا کی مزاجدانی میں صرف کر دیتا ہے۔ کیونکہ آقا کی مزاجدانی سے ایک طرف تو کام کی انجام دہی میں بہت سہولت ہو جاتی ہے اور دوسری طرف آقا کو خوش رکھنے کے بیشمار مواقع حاصل رہتے ہیں۔ ایسے اشخاص بہت جلد اپنے آقا کی قائم مقامی حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ آقا کو انکی مزاجدانی کی بنا پر یہ بھروسہ ہوتا ہے کہ عدم موجودگی کی حالت میں بھی وہ کام کو اسی طرح انجام دیں گے جس طرح وہ چاہتا ہے جو ملازم اپنے آقا کے احکام کو غور سے سنتے ہیں، اسکی پسندیدگی یا ناپسندی کی وجوہ پر غور کرتے رہتے ہیں اور اس کے عادات و خصائل پر نظر رکھتے ہیں وہ بہت جلد مزاجداں ہو جاتے ہیں۔

قدیم الخدمت ملازمین کو اپنا اعتماد قائم کرنیکا زریں موقع حاصل ہے جس سے نئے ملازمین محروم ہیں۔ کیونکہ اعتماد الفاظ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ پے در پے تجربوں سے اس کی بنیاد پڑتی ہے۔ اگر تم نے دوران ملازمت میں اپنی دیانتداری کے ثبوت دئے ہیں۔ اگر تم کو روپے پیسے کا کام سپرد کیا گیا ہے اور تم اسمیں امین اور دیانتدار ثابت ہوئے۔ یا تم کو جب کبھی ضروری اور وقتی کام دیا گیا ہے تم نے اسے ٹھیک وقت پر انجام دیا ہے۔ یا جب تمکو تمہارے آقا یا افسر نے کسی راز میں شریک کیا ہے اور تم اعلیٰ درجہ کے رازدار اور محتاط ثابت ہوئے ہو تو تمہارے آقا کو تمہاری ذات پر اعتماد ہو جائیگا۔ یہ اعتماد نہ صرف تمہارے آقا کے لئے مفید ہے بلکہ تمہارے لئے بھی نہایت کارآمد اور قیمتی ہے۔

بہرحال جن ملازمین میں یہ ضروری صفات موجود ہوتی ہیں وہ ترقی کرتے ہیں اگر غور و تحقیق کے بعد تم اپنی ذات کو بھی ان صفات سے متصف دیکھو تو ترقی کا مطالبہ کرو تمہیں ضرور کامیابی ہوگی۔

سرمایہ پس انداز کرنیکی تدبیریں

عام طور پر لوگوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ ملازمت پیشہ اشخاص مالی ترقی نہیں کر سکتے۔ مالی ترقی صرف تجارت کے ذریعہ سے ممکن ہے لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں جن وسائل سے ایک تاجر جمع زر اور تمول میں کامیاب ہو سکتا ہے ان وسائل کو استعمال کر کے ملازمت پیشہ اشخاص بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک تاجر کی نسبت ایک ملازم کی زندگی کہیں زیادہ کامیاب اور باقاعدہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے کامیاب اور باقاعدہ بنانا چاہے غور کرو کہ ایک تاجر کی آمدنی غیر معین ہے۔ اسے ہر وقت نفع کے ساتھ نقصان کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسکی تدبیریں الٹی پڑتی ہیں اور ایک نئے منصوبہ میں وہ منفعت حاصل کرنے کی جگہ گرہ کی پونجی بھی کھو بیٹھتا ہے لیکن ایک ملازم کو ان خطرات کا بالکل سامنا نہیں ہے۔ تاجر اپنی آمدنی کا خود ذمہ دار ہے لیکن ملازم کی آمدنی کے دوسرے ذمہ دار ہیں۔ اگر کوئی تاجر اپنے آمد و خرچ کو باقاعدہ رکھ سکے تو تعجب انگیز ہے اور اس سے بڑھکر تعجب کی جگہ یہ ہے کہ کوئی ملازم اپنے آمد و خرچ کو باقاعدہ نہ رکھ سکے۔

اس شخص کے لئے جس کی آمدنی مقررہ ہے اور جس کا مہینے پیچھے ملنا یقینی ہے اپنے مصارف کا اندازہ کرنا اور انہیں ایک حد کے اندر لانا ذرا بھی دشوار نہیں وہ بہت آسانی کے ساتھ اپنے ماہانہ اور سالانہ اخراجات کا بجٹ بنا سکتا ہے اور اس کے امکان میں ہے کہ جس طرح چاہے اس طرح کفایت و جزرسی کیساتھ

اپنی زندگی بسر کرے۔ رقم معین نہونے کی وجہ سے ایک تاجر کو پس انداز کرنے کا موقع بھی اس طرح حاصل نہیں ہے جس طرح ایک ملازم مصارف کی حدود قائم کرکے روپیہ بچا سکتا ہے۔

مالی ترقی حاصل کرنا اور روپیہ پس انداز کرنا اور پس انداز روپے کو بڑھانا درحقیقت نہ تجارت پر موقوف ہے اور نہ ملازمت پر۔ یہ چند مخصوص اوصاف پر موقوف ہے۔ یہ اوصاف جس شخص میں پائے جائیں گے خواہ وہ تاجر ہو یا ملازم، وہ مالی کامیابی حاصل کرسکیگا۔ یہ اوصاف کیا ہیں؟ آمد و خرچ پر نظر۔ مصارف کا صحیح اندازہ۔ ضروری اور غیر ضروری کا امتیاز۔ کفایت شعاری اور جزرسی کا خیال۔ نفس کشی یعنی جذبات اور خواہشوں کی غلامی سے احتراز۔

ایک مشہور مثل ہے کہ جتنی چادر ہو اتنے پاؤں پھیلاؤ، اس مثل پر جو لوگ عمل کرتے ہیں وہ بڑے عاقبت اندیش اور دانشمند سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آجکل ضرورت ہے کہ جتنی چادر ہو اس سے کچھ کم پاؤں پھیلائے جائیں۔ ایک تاجر کی نسبت ایک ملازمت پیشہ زیادہ آسانی کے ساتھ اس مثل میں ترمیم کے قابل ہو سکتا ہے۔ اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم کس طرح ملازمت کی حالت میں ایک تاجر سے زیادہ آسودہ رہ سکتے ہو۔

فرض کرو کہ تمہاری آمدنی پچاس روپیہ ماہانہ ہے اور تمہارے گھر میں پانچ آدمی ہیں۔ پچاس روپے کی آمدنی میں کوئی ملازم نہیں رکھا جاسکتا اور گھر کا کام گھر کے ممبروں کو کرنا چاہیے۔ اتنی آمدنی میں مزیدار کھانا کھایا جاسکتا ہی قیمتی کھانا نہیں کھایا جاسکتا۔ اتنی آمدنی میں صاف ستھرا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بیش قیمت پوشاک ناممکن ہے۔ اتنی آمدنی میں اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بیمار ہو کر میڈیکل کالجوں کے نکلے ہوئے درندوں کا

شکار نہیں بن سکتے۔ دوستوں اور عزیزوں کی تقریبوں میں شریک ہو سکتے ہیں لیکن سیم و زر کی بارش نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم اسقدر آمدنی رکھتے ہو تو سال بھر کے مصارف کا حساب لگاؤ۔ آٹا۔ لکڑی۔ دال ترکاری نمک مرچ وغیرہ ضروریات روزمرہ کا ایک اندازہ مقرر کر کے اسی طرح سال بھر کے لئے کپڑوں کا بھی حساب لگاؤ۔ پھر بیماری۔ مہمانداری اور خیرات وغیرہ کے لئے بھی مدیں رکھو ان سب اخراجات کے علاوہ پانچ روپیہ ماہانہ یعنی آمدنی کا دسواں حصہ بالکل نظر انداز کر دو یعنی تمہیں پچاس روپے کی آمدنی کو پینتالیس روپے فرض کر کے اپنا حساب پھیلانا چاہئے۔ اپنے آمد و خرچ کو باقاعدہ بنانے کے بعد آپ پہلے سال ہی خیر و برکت محسوس کریں گے۔ آپ کا دل نہ مہمانوں کی آمد سے گھبرائے گا نہ بیماری اور اتفاقی سانحوں سے آپ پریشان ہوں گے اور نہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے آپکو دوستوں اور مہاجنوں کی امداد درکار ہوگی۔ آپ کو اپنی زندگی ایک تاجر سے کہیں زیادہ پرسکون نظر آئے گی۔ اب رہا تمول و دولت کا سوال تو وہ بھی چند سال کے بعد جب آپ کے قبضہ میں چار پانچ سو کی رقم ہوگی حل ہو جائیگا کیونکہ اس کے ذریعہ سے آپ اپنی آمدنی بڑھا سکیں گے اور ملازمت کے علاوہ کچھ اور کام بھی کر سکیں گے اگر عمر نے وفا کی اور آپ کو دنیا میں پندرہ بیس سال زندہ و تندرست رہنے کا موقع ملگیا تو آپ دیکھیں گے کہ آپکی زندگی ایک کامیاب تاجر سے کسی طرح کم کامیاب نہیں ہے۔ ملازمت پیشہ اشخاص کی ناکامی و نامرادی کا باعث صرف یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو باقاعدہ نہیں بناتے اور یہ خیال کہ ہر مہینے ایک مقررہ رقم حاصل ہو جاتی ہے ان کو جد و جہد سے غافل رکھتا ہے۔ ورنہ ان کو اہل حرفہ اور اہل تجارت سے کہیں زیادہ سکون، آسودگی اور فارغ دلی کے مواقع حاصل ہیں۔

تعلیمی ترقی

پنجاب میں ایک غریب آدمی کا لڑکا گاڑھے کے کرتے اور گاڑھے کے نہ بند کے ساتھ اپنے قصبہ کے اسکول سے مڈل کا امتحان پاس کرتا ہے۔ اسے کچھ وظیفہ ملجاتا ہے اور لاہور پہنچکر وہ دو سال میں انٹرینس پاس کرتا ہے۔ اس کا باپ مرجاتا ہے ماں اور چھوٹے بھائی بہن کا کوئی خبر گیر نہیں اس لئے وہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرکے ملازمت کی جستجو کرتا ہے۔ ایک اسکول میں مدرس ہو جاتا ہے۔ چونکہ مدرسین کو پرائیویٹ امتحان کا حق حاصل ہے لہذا وہ دو تین سال میں محنت کرکے ایف اے کی خواندگی ختم کرکے امتحان دیتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ اس کے بعد بی اے کی طیاری کرتا ہے رات کی نیند اور دن کا آرام اپنے اوپر حرام کرکے بی اے کا امتحان بھی پاس کرلیتا ہے۔ اب رہ فو. تعلیم کے نصاب کو پورا کرکے بی ٹی بنتا ہے اور چند روز میں ایک بڑے ہائی اسکول کا سکنڈ ماسٹر اور پھر چند روز میں ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن جاتا ہے۔ اس کی آمدنی دو سو روپے ماہوار ہے لیکن خرچ سو روپے سے آگے نہیں بڑھتا۔ امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے مطالعہ ترک نہیں کیا اور اس لئے اسکی قابلیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ چند کتابوں کا مصنف بنتا ہے۔ اسے گورنمنٹ سے انعامات ملتے ہیں۔ پانچ سال کے عرصہ میں اسکے پاس پندرہ ہزار کی رقم ہو جاتی ہے۔ اب وہ انگلستان اور جرمنی کا سفر کرتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد بیرسٹری اور ڈاکٹری کی ڈگریاں لیکر واپس آتا ہے۔ بیرسٹری میں اسے خوب کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ چند سال

میں دولتمند بن جاتا ہے۔ اب وہ تمام قومی وملکی انجمنوں میں عملی حصہ لیتا ہے، اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں ایک ہر دلعزیز لیڈر کی پوزیشن حاصل کر لیتا ہے۔ تعلقات کی وسعت اس کے لئے مواقع پیدا کرتی ہے اور ایک دن ہم اسے چیف کورٹ کی کرسی عدالت پر متمکن دیکھتے ہیں۔ اسے ترقی کے اس درجہ میں دیکھکر اس کے معاصرین سکول فیلو اور احباب واقربا جن میں سے کوئی کلرک ہے کوئی امیدوار ہے۔ کوئی بیکار ہے۔ حیرت زدہ ہیں اور رشک وحسرت کے ساتھ حالی کا یہ شعر پڑھتے ہیں۔ ؎

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

کیا تمہیں یہ واقعہ معلوم کر کے حیرت ہوئی؟ حیرت نہ کرو۔ کیونکہ تم بھی ہائیکورٹ کے جج بن سکتے ہو۔ اگر تم اپنے اندر حسب ذیل صفات پیدا کر لو جنکی بنا پر اس غریب پنجابی نے ترقی کی وہ صفات یہ ہیں:۔

(۱) یہ احساس کہ ترقی کرنی چاہیئے اور فردا کو امروز سے بہتر ہونا چاہیئے۔ اس احساس کے بعد عملی جد وجہد (۲) محنت اور باقاعدہ محنت (۳) وقت کی حفاظت اور ایک لمحہ ضائع نہ کرنا (۴) قریبی منزل پر پہنچکر قانع نہ ہو جانا، بلکہ آگے بڑھنا۔ (۵) پوری نفس کشی اور ضبط جذبات (۶) کفایت شعاری اور جزرسی (۷) حوصلہ مندی اور موقع سے فائدہ اٹھانے میں غفلت نہ کرنا۔

مذکورہ بالا واقعہ میں جن صاحب کا حال لکھا گیا ہے ان میں یہی اوصاف موجود ہیں۔ اگر یہ اوصاف تم میں موجود ہوں تو تم بھی وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو انہوں نے کیا۔

محنت

صوبجات متحدہ میں ایک غریب آدمی اپنے اکلوتے بیٹے کو جو ۱۴ سال کی عمر تک آوارہ پھرتا رہا، ایک موچی کے سپرد کرتا ہے۔ وہ دو سال میں جوتی بنانے کا کام سیکھتا ہے۔ جب مزدوری کے قابل ہوتا ہے تو والدین کی یکے بعد دیگرے وفات اسے بالکل بے سروسامان بنا دیتی ہے۔ بہرحال وہ ایک دوکان میں بارہ آنہ یومیہ پر ملازم ہوتا ہے۔ چار آنہ یومیہ خرچ کرتا ہے اور آٹھ آنہ بچاتا ہے۔ چھ ماہ کے بعد اس کے پاس ساٹھ ستر روپے پس انداز ہو جاتے ہیں۔ وہ جوتیوں کے فرمے خرید کرتا ہے اور ایک دوکان کرایہ پر لیکر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ ایک سہ ماہی کے بعد ایک مددگار نوکر رکھتا ہے۔ ایک شش ماہی کے بعد دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دو سال کے بعد وہ ایک بڑی دوکان میں مسند پر گاؤ تکیہ لگائے ہوئے نظر آتا ہے اور دس بارہ کاریگر کام کرتے ہوتے ہیں۔ اس کی آمدنی تین سو روپے ماہوار ہے۔ پانچ سال کے بعد وہ ایک بڑے شوروم اور شو فیکٹری کا مالک نظر آتا ہے۔ ہر قسم کے چمڑے کا ایک بڑا اسٹاک اس کے گودام میں رہتا ہے۔ تمام صوبہ میں اس کا مال تھوک کے طور پر جاتا ہے۔ دس سال کے بعد وہ ایک ٹینری (چمڑے کی دباغت کا کارخانہ) قائم کرتا ہے۔ اور اب زمانہ اپنا فاؤنٹن قلم اٹھا کر اس کا نام لکھپتیوں کی سنہری فہرست میں لکھ لیتا ہے۔ وہ نیک دل ہے، مخیر ہے۔ قومی انجمنوں کو ہزاروں روپیہ کی امداد دیتا ہے اسلئے علما اور قومی لیڈر اسکی بہت آؤ بھگت کرتے ہیں۔ اس شخص کی ترقی دیکھکر وہ لوگ

متحیر ہیں جو انسانی دست و بازو کے کرشموں سے ناواقف ہیں۔

کیا تم بھی متحیر ہو؟ تحیّر کی کوئی وجہ نہیں۔ اس شخص میں کفایت شعاری محنت دیانت اور حوصلہ مندی کے اوصاف پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر اس نے ترقی کی۔ اگر یہ اوصاف تم بھی اپنی ذات میں پیدا کر لو تو تم بھی اس کے قدم بقدم چل سکتے ہو

تم جب کسی شخص کو ترقی اور کامیابی کی منزل میں عیش و آسودگی سے لطف اندوز دیکھو تو اس کے حالات ترقی پر غور کرو اور دیکھو کہ کن اوصاف کی بدولت اس نے ترقی حاصل کی۔ جن لوگوں کو تم جاہل اور بیوقوف سمجھتے ہو اور وہ دولتمند ہیں تو یقین رکھو کہ ضرور ان میں دولتمند بننے کے اوصاف پائے جاتے ہیں اگرچہ وہ بظاہر تعلیم یافتہ اور عقلمند نہ سہی۔

ترقی کا احساس

میاں فیضو جب اپنے وطن مالوف قصبہ ..... ضلع ..... سے دہلی میں آئے تو اعضائے بدن کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی غنیمت یہ کہ گرمی کا موسم تھا ورنہ پہلے دن ہی انہیں ایک کملی کے لئے دہلی کی سیر چشمی کا امتحان لینا پڑتا۔ بارے پہلی رات انہوں نے ریلوے مسافر خانہ میں بسر کی۔ علی الصباح قسمت آزمائی کے لئے روانہ ہوئے۔ جامع مسجد کے قریب پہنچے ایک جگہ معماروں اور مزدوروں کا ہجوم دیکھا۔ خود بھی وہیں بیٹھ گئے۔ ایک معمار ان کے ضلع کا رہنے والا تھا اسے دن کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی آٹھ بجتے بجتے مزدوری ملی اور یہ آٹھ آنہ یومیہ پر اس معمار کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ کام سخت تھا لیکن میاں فیضو کے بازو بھی خاصے توانا تھے۔ دن بھر کی محنت معمولی بات نہ تھی۔ لیکن اٹھارہ انیس سال کی عمر کا

جوان خوں محنتوں کو کس طرح لئے پھرتا ہے جس طرح سمندر ڈاک کے جہاز کو۔
بارے شام کو آٹھ آنہ وصول ہوئے۔ ان کو مستعد اور مضبوط دیکھکر کام لینے والے
نے دوسرے دن آنے کی تاکید کی یہ معمار کی ہمراہ اسکی فرودگاہ پر پہنچے چھ پیسے میں
پیٹ کو دھو دیا اور ساڑھے چھ آنے حفاظت سے رکھ چھوڑے۔ میاں فیضو
کو پہلے ہی دن سے احساس پیدا ہوا کہ انہیں آٹھ آنے ملے اور معمار نے اتنے ہی
وقت میں ڈیڑھ روپیہ کمایا چنانچہ اب وہ اس کے درپے ہوئے کہ معماری کا
کام سیکھنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنے ہموطن کو ہاتھ پاؤں دبا کر کام سکھانے
کے لئے آمادہ کر لیا اور سال بھر میں معماری کے نشیب و فراز سے واقف ہو کر
ڈیڑھ روپیہ کمانے لگے۔ اب ان کے پاس ڈیڑھ دو سو کی رقم بھی پس انداز ہو گئی
تھی۔ اس اثنا میں انہیں میونسپلٹی کے ایک اہلکار کا مکان بنانے کا اتفاق
ہوا۔ وہ اہلکار ان سے بہت خوش تھا اسکی وساطت سے انہوں نے تعمیر کا
ایک ٹھیکہ لیا۔ جس میں مزدوری کے علاوہ ڈھائی تین سو کی رقم بطور منافع
حاصل ہوئی۔ اس نئے تجربہ نے ان لئے بہت سی راہیں کھولدیں۔ یہ معمار سے
ٹھیکہ دار ہو گئے چونکہ اپنے ہاتھ کا کام تھا اس لئے دوسروں کی نسبت انہیں
خاطر خواہ نفع ہوتا تھا تین چار سال کے عرصہ میں ہزاروں روپیہ پس انداز کر لیا
کیونکہ اگر خرچ نہ ہو تو ایک معمولی آدمی اتنا روپیہ کما لیتا ہے۔ جو اس کی بساط سے
بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اب ان کو لکھنے پڑھنے کی سوجھی ایک معلم کو ملازم رکھکر
چند روز میں نوشت و خواند کی مہارت حاصل کر لی اور میاں فیضو سے بابو
فیض اللہ بنگئے۔ انہیں دنوں میں دہلی میں سرکاری تعمیرات کا ایک بڑا کام
چھڑا اور بابو صاحب کو خوش قسمتی سے اس کا ٹھیکہ ملگیا۔ اس ایک ٹھیکہ نے
انہیں لکھپتی بنا دیا۔ اب وہ عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور موٹروں میں اڑے

پھرتے ہیں۔ تم بابو فیض اللہ کی زندگی پر غور کرو۔ انہوں نے جو ترقی کی ہے اس کا کفایت شعاری ہے۔ ترقی کا شوق اور اس شوق کے مطابق محنت یہ سمجھکر کہ ہمیں کس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حوصلہ مندی اور سرگرمی ہے۔ جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں وہ دہلی میں بیک بینی و دو گوش آکر چند سال میں کچھ سے کچھ ہو سکتا ہے کیونکہ محنت اور ہمت کے دروازے ایک شخص کے گزرنے کے بعد دوسروں کے لئے بند نہیں ہو جاتے۔

حوصلہ مندی

عبدالحمید نامی ایک نوجوان ہے اٹھارہ سال عمر ہے اور مڈل پاس ہے بارہ روپے ماہوار پر ڈسٹرکٹ بورڈ میں ملازم ہے۔ ایکدن دوستوں کے مجمع میں خوب بنایا جاتا ہے لوگ اسے "جج" کہتے ہیں۔ یہ بات عبدالحمید کے دل پر اثر کرتی ہے وہ کہتا ہے کہ میں تمہیں 'جج' بنکر نہ دکھادوں گا تو خودکشی کرلوں گا۔ عبدالحمید بالکل غریب ہے۔ ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ والدین موجود ہیں لیکن اس کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ عبدالحمید دوسرے دن نوکری چھوڑتا ہے۔ دو سال میں انٹرنس کا امتحان سوکھے ٹکروں پر قناعت کرکے اور قرض ادھار سے فیس دیکر پاس کرتا ہے۔ پھر ایک مخیر مسلمان اسے وظیفہ دیتا ہے۔ وہ دوسرے شہر میں جاکر پانچ سال کے عرصہ میں بی اے کرتا ہے۔ اب الہ آباد کے ایک دفتر میں ساٹھ روپے ماہوار کا ملازم ہو جاتا ہے اور قانون پڑھتا ہے چار سال کے عرصہ میں ایل ایل بی بنتا ہے۔ والدین بھی اس کے ہمراہ ہیں وہ الہ آباد ہی میں پریکٹس شروع کرتا ہے۔ دو سال تک اسے کوئی نہیں پوچھتا اور وہ

بڑی تکلیف سے زندگی بسر کرتا ہے پھر اس کا نصیب جاگتا ہے چند مقدمات اس کے پاس آتے ہیں۔ وسعت مطالعہ اور قوت گویائی کی بدولت وہ کامیابی حاصل کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی شہرت ہوتی ہے اور چند سال میں وہ شہر کے کامیاب وکلا میں شمار ہوتا ہے۔ پھر ہائیکورٹ میں اس کو رسائی حاصل ہوتی ہے اور چند روز میں اس کا گھر دولت سے بھر جاتا ہے وہ ولایت کا سفر کرتا ہے۔ حکام سے اس کے تعلقات وسیع ہوتے ہیں۔ آخر کار وہ اپنا آزاد پیشہ چھوڑ کر ملازمت کرتا ہے اور چند روز میں ججی کے عہدے پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ اپنے ان تمام دوستوں کو جنہوں نے اسے طنزیہ جج کہا تھا مدعو کرتا ہے اور آج اس کی فاتحانہ مسرت کا اندازہ دشوار ہے۔ تم غور کرو کہ عبدالحمید کیونکر جج بن گیا۔ زبردست عزم۔ جنون شوق اور صبر و استقامت نے اسے جج بنا دیا۔ اگر تم میں بھی ایسا راسخ عزم پیدا ہو جائے اور اس عزم کے مطابق تم محنت اور تکالیف کے لئے آمادہ ہو جاؤ تو ایک دن تم بھی جج بن سکتے ہو۔ البتہ اگر تمہارے دماغ میں عبدالحمید کی طرح علمی اور قانونی صلاحیت نہ ہوگی تو کچھ زیادہ عرصہ درکار ہوگا اور کچھ کم کامیابی ہوگی لیکن اس بات کا یقین رکھو کہ جو راستہ جس منزل کو گیا ہے اس کے راہرو اپنی رفتار کے مطابق جلد یا بدیر اسی منزل کو پہنچتے ہیں اور اس لئے تم جس کام میں عزم و محنت اور استقلال و ہمت صرف کروگے اس میں تمہاری اہلیت اور حوصلہ مندی کے بقدر ضرور کامیابی ہوگی۔

اپنی صلاحیت کا احساس

افسوس اور ہزار افسوس مسلمانوں کی غربت پر۔ اس قوم کو قدرت نے بہترین ذہن اور بہترین دماغ عطا کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اس معاملہ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں جسقدر ادبی مذاق پایا جاتا ہے اور ان کا دماغ جیسا فلسفیانہ اور منطقی واقع ہوا ہے وہ ان کے کارناموں سے ظاہر ہے اور اس کی مثال کسی دوسری قوم میں نہیں مل سکتی لیکن مسلمانوں نے اپنی ذہانت اور عالی دماغی سے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ ان کی طاقت خواہ کسی مغالطہ کی وجہ سے اور خواہ مواقع حاصل نہ ہونے کی بنا پر ہمیشہ رائیگاں ہوتی رہی۔ ایک مشہور بات ہے کہ مسلمان حساب میں کمزور ہیں۔ یہ بات میں اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر ماننے کے لئے طیار نہیں۔ خواہ حساب کی موشگافیاں ہوں۔ خواہ فلسفہ و منطق کے نکات اور خواہ اشعار کی باریکیاں ہوں۔ ان سب کے لئے ایک ہی قسم کی لطافت دماغ درکار ہے۔ اور یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ جس قوم کے افراد منطق و فلسفہ میں نامور ہوں اور اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتے ہوں وہ حساب کی گتھیاں نہ سلجھا سکیں۔

مسلمانوں کی حالت بالکل صحرائی پھولوں کے مانند ہے جو کھلتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں اور ان کی بہار دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ افلاس و غربت اور مواقع حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی دماغی صلاحیتیں تمام عمر خوابیدہ رہتی ہیں۔ انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کیا ہیں اور دنیا میں کیا کر سکتے

ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے کسی کو کوئی موقع مل جاتا ہے اور بخت اس کی یاوری کرتا ہے تو وہ ابھر جاتا ہے اور پھر ایسا ابھرتا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ کاش قوم میں چند ایسے دردمند پیدا ہو جائیں جو قوم کے بچوں کی فطری صلاحیت معلوم کرنے کا کام اپنے ذمہ لیں، وہ مدرسوں اور مکتبوں میں وقت صرف کر کے اندازہ کریں کہ کس بچہ میں کس قسم کی صلاحیت ہے اور پھر اس صلاحیت کو ابھارنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجائے۔ ذیل کے سبق آموز واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ اگر لوگوں کو اچھے مواقع حاصل ہو جائیں تو وہ کیسی حیرت انگیز ترقی کر سکتے ہیں۔

ایک چھوٹے سے قصبہ میں سید فرزند علی کا مکان ہے۔ سید صاحب ایک بیوہ اور اس کے آغوش میں ایک بچہ چھوڑ کر عرصہ گذرا کہ راہی ملک بقا ہوئے۔ بیوہ نے اپنی غربت کے باوجود بچہ کو ناز و نعمت سے پرورش کیا۔ جب وہ ہوشیار ہوا تو قصبہ کے مدرسہ میں داخل کر دیا۔ اس میں اردو پڑھائی جاتی تھی اور صرف تیسرے درجہ تک تھا۔ دوسرے اور پہلے درجہ میں اردو مڈل کا امتحان اور پڑھائی شہر میں ہوتی تھی۔ اس بچے کو جس کا نام آل نبی تھا حساب سے خاص مناسبت تھی وہ اس فطری مناسبت کی وجہ سے بے ضرورت حساب کی مشق کرتا تھا چنانچہ جب وہ تیسرے درجہ میں پہنچا تو اسے مڈل تک کا حساب آتا تھا اور مشاقی کا یہ عالم تھا کہ اپنے استاد سے جلد سوال حل کر لیتا تھا۔

آل نبی جب تک گاؤں میں رہا اس کی ہمت افزائی کسی نے نہیں کی۔ جب وہ تیسرا درجہ پاس کر چکا تو اس کی ماں نے اسے شہر کے اسکول میں بھیجا۔ یہاں اس نے دو سال پڑھ کر اردو مڈل پاس کیا لیکن یہاں بھی اس سے زیادہ

وہ اپنے متعلق رائے قائم نہ کر سکا کہ فی الجملہ اسے حساب خوب آتا ہے
اردو مڈل پاس کرنے کے بعد وہ افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی تعلیم کا سلسلہ
جاری نہ رکھ سکا۔ اب وہ ملازمت کے لئے مجبور تھا اور یہ اچھا ہوا کہ اسے
شہر کے ایک اسکول میں بارہ روپے ماہوار کی مدرسی مل گئی۔ چند روز کے
بعد وہ نارمل اسکول بھیجدیا گیا اور وہاں سے واپس آکر اسکی تنخواہ اٹھارہ
روپے ماہوار ہوگئی۔ دو تین سال تعلیم دینے کے بعد مدرسے میں اور پھر شہر
میں اس کی حساب دانی کا چرچا ہوا لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھی کہ وہ
حساب اچھا جانتا ہے اور خوب سکھاتا ہے۔ اس شہرت سے بیچارے
آل نبی کو صرف اس قدر فائدہ پہنچا کہ اس کے پاس چند طالب علم پرائیویٹ
طور پر حساب سیکھنے کے لئے آنے لگے۔ جن سے اسے آٹھ دس روپے مہینے کا
مزید فائدہ ہو جاتا تھا۔ آل نبی حساب سے فطری مناسبت رکھتا تھا۔ اسکول میں
روزانہ حساب سکھاتا تھا اور پرائیویٹ طور پر بھی اس کا یہی مشغلہ تھا اسکا
نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مشق روز افزوں ترقی کرنے لگی۔ تین چار سال اور گزرنے
پر تمام شہر کے تعلیمی حلقوں میں یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ آل نبی سے بہتر
اقلیدس، الجبرا اور حساب کا کوئی ماہر شہر میں موجود نہیں ہے۔ وہ انگریزی
نہیں جانتا تھا لیکن ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر جن کی تنخواہ چار سو روپے
تھی اور جو ڈگریوں کی ایک پوٹ اپنے پاس رکھتے تھے حساب میں آل نبی
سے بہتر نہیں تھے۔ شہر کی مردم شماری ۷۰ ہزار تھی جس میں تیس ہزار ہندو تھے
لیکن ان تیس ہزار میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں تھا جو حساب میں آل نبی کا
مقابلہ کر سکے۔ لیکن اس کمال پر اس کی آمدنی کبھی پچاس ساٹھ روپے
ماہوار سے زیادہ نہیں ہوئی۔ افسوس اگر اس کے پاس روپیہ ہوتا اگر کوئی اسکی

رہنمائی کرتا اگر کوئی دردمند قوم اس کے لئے مواقع بہم پہنچاتا تو آج وہ شہرت و ناموری کے آسمان پر آفتاب بنکر چمکتا۔ وہ ہندوستان سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد یورپ جاتا اور وہاں سے امتیازی ڈگریاں لے کر جب ہندوستان کو واپس ہوتا تو بڑی بڑی درسگاہیں اس کے خیر مقدم کو بڑھتیں اور اپالو بندر پر اس کے لئے آنکھوں کا فرش بچھاتیں آج اسے دو ڈھائی ہزار روپیہ ماہانہ کی آمدنی ہوتی اور خدا جانے اس کی بدولت کتنے ہم قوموں کے دماغ بیدار ہوتے اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی صلاحیت اور طبعی مناسبت کو محسوس کر کے اسے بیدار کرنے کی کوشش جاری رکھے۔

ترقی کی تدریجی صورتیں

عبدالکریم جس وقت ایک مشہور کارخانہ میں ملازم ہوا تو وہ بالکل ناخواندہ اور دنیا کے نشیب و فراز سے محض ناواقف تھا۔ اس کی عمر اٹھارہ سال تھی اور وہ موسم گرما میں عارضی طور پر پنکھا کھینچنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ جب گرمیوں کا موسم ختم ہو گیا اور پنکھے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اسے برطرف ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن اس کی خوش اخلاقی اور اطاعت گذاری سے کارکنان دفتر اس قدر خوش تھے کہ اس کے لئے مستقل ملازمت کی کوشش کر رہے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں ایک چپراسی کی جگہ خالی ہوئی۔ چنانچہ عبدالکریم کو دفتر کی سفارش سے اس جگہ رکھ لیا گیا۔ اس کا زیادہ کام دفتر کے کلرکوں سے متعلق تھا اور اسے ہر وقت خواندہ ناخواندہ کا امتیاز محسوس ہوتا تھا یہ احساس رفتہ رفتہ اتنا قوی ہوا کہ اس نے "تشریح الحروف" ملا کر باقاعدہ تعلیم شروع

کردی۔ وہ اپنی خدمات سے جب فرصت پاتا تھا جب اسے کہیں آنا جانا ہوتا تو راستے میں اپنا سبق یاد کرتا تھا۔ دفتر میں قلم دوات اور کاغذ کی کمی نہ تھی اور وہ خالی اوقات میں حروف کی مشق کرتا تھا۔ آخر عبدالکریم انسان کا بچہ تھا اس کا شوق بیکار جاسکتا تھا۔ سال بھر کی محنت میں اس کی آنکھیں بینا ہوگئیں اور وہ معمولی نوشت وخواند پر قادر ہوگیا۔

کارخانہ میں ایک ملازم جو کسی قدر خواندہ تھا مال کی روانگی پر مامور تھا اس کی تنخواہ بارہ روپے ماہوار تھی۔ عبدالکریم کو سات روپے ماہوار ملتے تھے اس جگہ کے خالی ہوتے ہی اسے ترقی دی گئی۔ کسی کام کرنے والے کو جب محنت کا صلہ نقد صورت میں ملتا ہے تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ عبدالکریم جب سال بھر کی نوشت وخواند میں ناخواندہ سے خواندہ اور چپراسی سے منشی ہوگیا اور ساتھ ہی اسکی تنخواہ میں بھی کافی ترقی ہوگئی تو اسے اور بھی زیادہ شوق پیدا ہوا اور وہ پہلے سے بڑھ کر اپنی تعلیم میں کوشش کرنے لگا خوش قسمتی سے ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اور اس لیے اس کی آمدنی اور اسکی راتیں اسی کی تھیں۔

تین سال تک اردو فارسی پڑھنے کے بعد عبدالکریم نے انگریزی شروع کی اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ وہ تین سال تک پڑھتا رہا۔ زبان کے ساتھ ساتھ اس نے حساب بھی سیکھا اور وہ کس قدر خوش ہوا ہے جب اسے لیاقت میں ہر طرح جانچ کر دفتر میں ایک کلرک کی جگہ متعین کیا گیا دفتر میں پہنچتے ہی عبدالکریم کی تمام دماغی قابلیتیں بیدار ہوگئیں۔

عبدالکریم جب پنکھا قلی تھا تو کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک قابل منشی اور ایک قابل کلرک ثابت ہوسکتا ہے۔ تقریباً ایک سال تک اسے اپنے

کام میں پریشانی رہی لیکن اس کے بعد وہ محنت اور توجہ کی بدولت مشکلات پر غالب آگیا اور رفتہ رفتہ اسے ایسی مشاقی حاصل ہوئی کہ پرانے کارکردہ کلرک اس کے کام سے حیران تھے۔

تین سال تک کام کرنے کے بعد وہ دفتر میں سکنڈ کلرک ہوگیا کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی کلرک اتنا قابل نہ تھا وہ دو سال تک سکنڈ کلرک رہا اور اس کے بعد ہیڈ کلرک ہوگیا۔ پانچ سال تک وہ ہیڈ کلرک رہا اس کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تھی۔ اس نے کارخانہ کے جزئیات وکلیات کے متعلق ایسی باخبری حاصل کی اور اپنے فرائض متعلقہ کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا کہ اس کے بعد وہ کارخانہ کا منیجر بنایا گیا۔ اب اس کی تنخواہ تین سو روپیہ تھی۔ اس کی سواری میں ایک موٹر رہتا تھا۔ تقریباً دو سو آدمیوں پر اس کی حکومت تھی اور پانچ لاکھ روپیہ کا نظم ونسق اس کے سپرد تھا۔

یہ سب کچھ پندرہ سولہ سال کے عرصہ میں ہوگیا اب اس جھوپڑے کی جگہ جس سے نکل کر عبدالکریم اس کارخانہ میں پنکھا کھینچنے آیا تھا ایک عالیشان محل نظر آتا تھا۔ عبدالکریم کے اعزہ واقربا میں تعلیم پھیل گئی تھی اور اس کے تمام قریبی رشتہ دار ملازم تھے۔

جس وقت عبدالکریم پنکھا قلی کی حیثیت سے اس کارخانہ میں آیا تھا اس وقت اس کے بعض ہم عمر اور ہم عصر احباب بھی تھے جو اس قسم کی ملازمتوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں سے اکثر جس حالت میں تھے اسی حالت میں پندرہ سال کے بعد بھی نظر آرہے ہیں لیکن عبدالکریم جس کو ترقی کا احساس پیدا ہوا اور جس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ "امروز" سے "فردا" کو بہتر ہونا چاہیئے وہ کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

اپنی قیمت بڑھانیکی تدبیر

شیخ ولی محمد صاحب اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے انٹرینس تک تعلیم حاصل کرنیکے بعد جب عملی زندگی شروع کی تو بیس روپیہ ماہانہ نہیں الاؤنس ملتا تھا۔ ابھی آٹھ دس امیدوار اور موجود تھے جن کے مستقل ہونے کے بعد ان کے مستقل ہونے کا نمبر آتا۔ شیخ صاحب بڑی تکلیف سے زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ ایک بیوی اور ایک ماں کا صرفہ انکے ذمہ تہا۔ بیس روپے کی آمدنی بمشکل مصارف کو کافی ہوتی تھی ایک دن شیخ صاحب نے اپنی بیوی کو کرتوں کے لئے ململ لاکر دی جو بالکل معمولی اور زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ آنے گز کی تھی۔ شیخ صاحب کی بیوی بڑی ہنرمند اور باسلیقہ اور محنتی تھیں انہوں نے ململ کے کرتے بنا کر انہیں نہایت خوبصورت گل بوٹوں اور بیلوں کے ساتھ کاڑہ کر طیار کیا۔ چند روز اس واقعہ پر گذر گئے ایک دن شیخ صاحب کی بیوی نے اپنا کڑھا ہوا کرتا زیب تن کیا شیخ صاحب اس کرتے کی خوشنمائی دیکھکر بہت متعجب ہوئے۔ وہ اب اپنی اصلی حالت کی طرح کم قیمت نہیں رہا تہا شیخ صاحب نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ وہی چار پانچ آنے گز کی ململ ہے۔ بیوی نے مسکرا کر جواب دیا کہ جی ہاں، لیکن اب چار پانچ آنے کا لفظ کہنا اس کی توہین ہے۔ شیخ صاحب کا دماغ دیر تک اس پر غور کرتا رہا اور اس واقعہ سے ان کے ذہن نے یہ نتیجہ نکالا کہ محنت ایک معمولی چیز کو غیر معمولی بنا سکتی ہے اور جب اس کی گلکاریاں ایک کاغذ اور

ایک کپڑے کو کچھہ کا کچھہ بنا سکتی ہیں تو اگر انسان اپنے آپ کو محنت کے حوالے کردے تو کیا کچھہ ترقی نہ کر سکیگا۔ یہ خیال آتے ہی شیخ صاحب کو اپنی ترقی کا خیال پیدا ہو گیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ جہاں ممکن ہوا انہیں خالی اوقات میں اپنی تربیت کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے ان کی توجہ اپنے خط پر مبذول ہوئی ان کا خط بہت خراب تھا۔ کیونکہ انہوں نے کبھی مشق نہیں کی تھی۔ شوق اور محنت ایسے جہاز ہیں کہ ان کی بدولت بڑے سے بڑے سمندر کو عبور کیا جا سکتا ہے۔ چند روز کی محنت میں شیخ صاحب کا خط کچھہ سے کچھہ ہو گیا۔ جس شخص کے سامنے ان کی تحریر جاتی تھی وہ یہ کہے بغیر نہ رہتا تھا کہ یہ کس نے لکھا ہے۔ کیسا اچھا خط ہے۔ خط کی طرف سے فارغ ہو کر انھوں نے ٹائپ کی مشاقی کرنی چاہی شہر میں ٹائپ کا ایک اسکول تھا لیکن وہاں پانچ روپیہ ماہانہ فیس لی جاتی تھی شیخ صاحب نے پہلے تو اسقدر فیس دا کی لیکن پھر خوشامد در آمد سے کام لیکر مفت کام سیکھتے رہے۔ پانچ چھ ماہ کے عرصہ میں انھیں ایسی مشق ہو گئی کہ ایک منٹ میں ستر لفظ کی اوسط سے ٹائپ کرتے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انکے دفتر میں ایک ایسی جگہ خالی ہوئی جس میں کلرک کا ٹائپ سے واقف ہونا ضروری تھا۔ جن امیدواروں کے مستقل ہونے کا نمبر تھا وہ ٹائپ نہیں جانتے تھے۔ اس سے شیخ صاحب کو جونیر ہونے کے باوجود مستقل کر دیا گیا۔ اب ان کی تنخواہ ۳۵ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ چند روز میں وہ توجہ اور محنت کی بدولت اپنے کام پر پورے حاوی ہو گئے اور ان کے پاس کافی وقت بچنے لگا۔ شیخ صاحب نے اپنے آپ کو خالی دیکھا تو پھر کسی کام کے سیکھنے کا خیال ہوا۔ ابکے انہوں نے ترجمہ کی مشق بہم پہنچائی۔ عرصہ تک انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے رہے لیکن ضرورتے

انھیں بتایا کہ اردو سے انگریزی ترجمہ کرنا زیادہ مفید ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی مشق بہم پہنچائی۔ ترجمہ کے کام سے انھیں مالی فائدہ بھی پہونچا کیونکہ کچہری میں انھیں وکلا وغیرہ سے ترجمہ کا کام ملجاتا تھا۔ جسے بہت تھوڑی اجرت پر انجام دینے کے باوجود روپیہ دو روپیہ روز پیدا کر لیتے تھے۔ چند سال کے عرصہ میں شیخ صاحب کی لیاقت کا چرچا ان کے ہم عصروں میں ہونے لگا۔ حکام کو بھی ان کی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہوا۔ اہلکار اپنی اہم درخواستیں انھیں سے لکھاتے رہتے اور مشکلات میں اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ شیخ صاحب کی اس کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ آٹھ سال کے عرصہ میں انگلش آفس کے ہیڈ کلرک ہو گئے اور اس وقت انہیں ڈھائی سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔

علمی لیاقت کیونکر بڑھائی جائے

میاں سبط حسین کی عمر ۲۱ سال تھی کہ وہ انٹرینس کے امتحان میں تیسری دفعہ فیل ہوئے۔ سبط حسین نہایت ذہین طباع اور ہونہار نوجوان تھے۔ لیکن ان میں ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ عبارت یا مطالب کا رٹنا ان کے لئے دشوار تھا۔ وہ ہمیشہ انگریزی اور حساب میں اول آتے تھے۔ لیکن تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ میں پاس ہونے کے قابل بھی نمبر نہیں ملتے تھے۔ جب امتحان میں وہ تیسری دفعہ فیل ہوئے تو رنج و مایوسی کی انتہا نہ تھی۔ ان کے والد ڈپٹی کلکٹر تھے اور اس انٹرینس پاس ہو جانے کے بعد وہ بھی آسانی کے ساتھ اس لائن میں آسکتے تھے۔ اور پاس نہ ہونے کی صورت میں ان کو جو ملازمت ملتی وہ کسی طرح ان کے خاندان کی قائم شدہ عزت و وجاہت کے شایاں نہیں

ہو سکتی تھی۔ سبط حسین کے والد کو سبط حسین سے کچھ زیادہ اس ناکامی کا غم تھا اور اسی غم کی حالت میں انھوں نے بیٹے کو بے توجہی اور بدشوقی کے ایسے طعنے دیے کہ وہ رات کو جب چاند اور ستاروں کے سوا سب کی آنکھیں بند تھیں گھر سے باہر نکلے تاکہ دریا میں ڈوب کر اپنی ناکام زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ یہاں سبط حسین کا مزاج شاعرانہ تھا۔ دو بجے رات کا وقت، لطیف ہوا کے جھونکے جو مالیخولیا کا واحد علاج ہیں۔ دریا کا دھیمی لہروں کے ساتھ بہنا۔ چاند تاروں کا عکس۔ اس دلربا نظارے نے سبط حسین کے دل سے خودکشی کا خیال دور کر دیا اور وہ عالم حیرت میں گرد و پیش کا تماشا کرنے لگا۔

رفتہ رفتہ سبط حسین کے دل پر ذاتی خیالات کا تسلط ہونے لگا۔ اور بتدریج وہ خودکشی کے موضوع تک آپہنچا۔ اب اس کا مزاج معتدل اور دماغ صحیح تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ فیصلہ کیا کہ خودکشی انتہائی بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ اس کے بعد اس کا دوسرا موضوع یہ تھا کہ کیا کامیاب زندگی یونیورسٹی کی سندوں اور ڈگریوں پر منحصر ہے۔ غور و خوض کے بعد اس کی دماغی قوتوں نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ اب اسے صرف ایک مسئلہ حل کرنا تھا اور وہ یہ کہ کیا کرنا چاہیے؟ سبط حسین کو ادبیات سے بالطبع مناسبت تھی اس نے طے کیا کہ ادب کی لائن میں مہارت و ناموری حاصل کرنی چاہیے لیکن اردو ادب کو وہ زرخیز نہیں سمجھتا تھا اس لیے انگریزی ادب کی طرف اسکی توجہ مبذول ہوئی۔ اگرچہ اس کی تعلیم محدود تھی لیکن طبعی مناسبت کی وجہ سے وہ بہت اچھی انگریزی لکھتا تھا۔ اس کا جواب مضمون تمام کلاس میں بہتر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی عبارتوں میں انشا پردازی کے آثار ہوتے تھے۔ جن سے پایا جاتا تھا کہ آگے چلکر وہ ادیب بنے گا۔ الغرض انشا پردازی کا جذبہ

دل میں اس قدر بالیدہ ہوا کہ سبط حسین نے جیب سے پنسل اور کاغذ نکالکر "چاندنی رات" کے عنوان پر مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ اور جب تک مشرقی افق سے آفتاب کا لالہ فام دائرہ نمودار نہیں ہوا وہ پورے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہا۔ سورج نکلنے کے بعد مضمون بالکل طیار تھا اور سبط حسین اُسے لکچروں کے لہجہ میں دریا کی موجوں کو سُنا رہا تھا۔

صبح کو سبط حسین نے مکان پر پہنچکر ادبی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس نے ہندوستان، انگلستان اور امریکہ سے مختلف رسائل اپنے نام جاری کرائے۔ ہندوستان کے انگریزی کتب فروشوں کی فہرستیں منگا کر اپنے مطلب کی کتابیں انتخاب کیں۔ اس طرح اس نے ایک چھوٹی سی ادبی اور تاریخی لائبریری مہیا کر کے باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا۔ دو سال تک اس طرح کتب بینی و اخبار بینی کرتا رہا کہ والدین کو اس کی صحت کی طرف سے خطرہ پیدا ہونے لگا اس نے اپنا نصب العین کسی کو نہیں بتایا تھا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی کوشش میں مصروف تھا۔ دو سال کے مطالعہ کے بعد اس کا پہلا مضمون ہندوستان کے ایک انگریزی ادبی رسالہ میں شائع ہوا۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت پسند کیا گیا۔ پھر اس نے متعدد اخبارات و رسائل میں معرکہ آرا مضامین لکھے جن کا ملک میں بہت چرچا ہوا اور ادبی حلقوں میں سوال پیدا ہونے لگا کہ یہ کون شخص ہے۔ اسی طرح دو سال تک وہ مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین لکھکر اپنی مشق بڑھاتا رہا۔ اس کے والد منشی ہادی حسین اگرچہ اسکی نیک چلنی اور علمی انہماک سے خوش تھے لیکن اپنی قدامت پرستی اور بدمذاقی کی بنا پر اس کی قدر و قیمت سے واقف نہ تھے۔ اس نے باپ سے دس ہزار روپیہ کی درخواست کی تاکہ وہ ولایت جاکر جرنلزم کی تعلیم حاصل کرے لیکن یہ درخواست

منظور نہیں کی گئی۔ اسی زمانہ میں ایک رئیس اپنے صاحبزادے کو حصول تعلیم کے لئے ولایت بھیج رہے تھے اور انھیں ایک اتالیق کی ضرورت تھی۔ سبط حسین نے بڑی کوشش و سفارش کے ساتھ یہ ملازمت حاصل کرلی اور ولایت چلا گیا۔ انگلستان پہنچکر اس کی ادبیت کو چار چاند لگ گئے۔ بڑے بڑے انگریز ادیب اسکی طرز تحریر کو پسند کرتے تھے اور نامور رسائل اسکے مضامین کی بیش قرار اجرت دیتے تھے۔ تین سال کے بعد سبط حسین ولایت سے ہندوستان واپس آیا اور آتے ہی ایک مشہور روزانہ اخبار کا ایڈیٹر ہو گیا۔ اس کی تنخواہ پندرہ سو روپے ماہوار تھی۔ اسکی عزت پبلک اور گورنمنٹ میں کسی طرح ایک ڈپٹی کمشنر سے کم نہ تھی۔ یہ واقعات اور حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرکے منشی ہادی حسین کو اطمینان ہوا کہ ان کے بیٹے نے اپنا وقت رائیگاں نہیں کیا اور جو کچھ وہ اسے بنانا چاہتے تھے اس سے کچھ بہتر بن گیا ہے۔

دوسری مثال

عبدالحمید خاں بی اے چھاؤنی میں ہیڈ کلرک تھے۔ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ والدین کی اچھی تربیت کی بنا پر صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے لیکن کوٹ پتلون اور ہیٹ استعمال کرتے تھے۔ ایک دن وہ چند مسائل پوچھنے کے لئے اپنے شہر کے ایک مولوی صاحب کے پاس گئے۔ مولوی صاحب کو ان کی ولائتی غیر مانوس وضع سے بہت وحشت ہوئی تاہم انہوں نے ان کے سوالات کا جواب دیا۔ لیکن عبدالحمید خاں کی تسلی نہیں ہوئی۔ انہوں نے کچھ جرح بھی

کی اور مسائل کو زیادہ تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہا مولوی صاحب کو ان کی جرح سے بہت غصہ آیا اور بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اعتراضات کا جواب دینے سے عاجز تھے۔ آخر انہوں نے حسب معمول نئی روشنی کی مذمت اور علما کی ثناخوانی شروع کردی اور عبدالحمید خاں کو ان کی تشفی کئے بغیر چلے جانے کا حکم دیا۔ یہ بات عبدالحمید خاں کو بہت ناگوار گزری اور ان کے دلکو مولوی صاحب کی شیخت گوارا نہ ہوئی۔ انہوں نے اسی دن سے عربی تعلیم شروع کردی۔ آدمی ذہین تھے۔ تعلیم یافتہ تھے۔ سال بھر میں صرف نحو کے ضروری مسائل سے آگاہ ہو کر ٹوٹی پھوٹی عبارت پڑھنے لگے۔ اب انہوں نے پچیس روپیہ ماہوار اور خوراک پر ایک مولوی صاحب کو باہر سے بلایا۔ اور تین سال تک ان سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کی صورت یہ تھی کہ وہ دفتر سے جتنا وقت بچا سکتے تھے اسے لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔ اس تین سال کے عرصہ میں انہوں نے دینیات اور ادب کی ضروری کتابیں پڑھ لیں اب ان میں اتنی قابلیت ہوگئی تھی کہ بطور خود کتابوں کا مطالعہ کرلیں چنانچہ وہ دو سال تک مطالعہ میں مصروف رہے۔ اس محنت اور توجہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک اچھے عالم کی برابر ان میں استعداد و لیاقت پیدا ہوگئی۔ ایک سال کی رخصت کا ان کو حق حاصل تھا وہ رخصت حاصل کرکے دیوبند پہونچے اور تفسیر و حدیث و فقہ کے دوروں میں شریک ہوگئے۔ ان کی قابلیت ان کے اپنے ہم جماعتوں سے بہت بہتر تھی۔ سال بھر کے بعد امتحان دیا۔ اور باقاعدہ سند لے کر اپنے گھر چلے آئے۔ اب ہر شخص ان کو ایک عالم کی طرح مقدس اور باخبر سمجھتا تھا۔ شہر میں جو مسائل دیگر علما سے حل نہیں ہوتے تھے وہ عبدالحمید خاں کے پاس لائے جاتے تھے۔ ان کی فضیلت مسلمہ تھی۔ اور وہ

مولوی صاحب جن کی بدولت یہ سب کچھ ہوا تھا ان کی قابلیت کے سامنے اعتراف عجز کرتے تھے۔ غرض چند سال کی محنت اور توجہ نے عبدالحمید خاں کو زبردست عالم بنا دیا۔ یہ سب کچھ فالتو وقت کو کام میں صرف کرنے سے ہوا۔ دل و دماغ کی روشنی اور عام عزت و احترام کے علاوہ انہیں اس اکتساب علم سے مالی فائدہ یہ پہنچا کہ ایک مشہور کالج میں وہ ساڑھے تین سو روپے ماہوار پر پروفیسر مقرر ہو گئے اور ابھی ترقی کا میدان بہت وسیع ہے۔

سیدہ خاتون جو اس وقت اردو مضامین لکھنے والی عورتوں میں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہیں اور بہت سے مرد بھی ان کی طرح انشا پرداز نہیں، اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ جب ان کی شادی ہوئی تو وہ جاہل مطلق تھیں۔ ماں باپ نے چند روز ایک استانی رکھکر کلام مجید پڑھوا دیا تھا لیکن وہ اسے بھی بھول گئی تھیں۔ شادی کے بعد شوہر کو بھی تعلیم نسواں کا اتنا شائق نہیں پایا کہ وہ ان کی تعلیم کا کچھ انتظام کرتا۔ اتفاق سے ان کے شوہر جو سرکاری ملازم تھے دوسرے شہر کو بدل گئے۔ مکان میں کوئی مرد نہ تھا پڑوس کی ایک بیوی کو یہ خط لکھنے کے لئے بلاتی تھیں انہوں نے کچھ بے التفاتی کی۔ ان کو برا معلوم ہوا۔ اور انہوں نے خود لکھنا پڑھنا شروع کیا۔ اپنا تن پیٹ کاٹکر ایک استانی کو پانچ روپیہ ماہوار اور کھانے پر ملازم رکھا۔ سال بھر میں معمولی طور پر اردو نوشت و خواند سے واقفیت پیدا ہو گئی۔ اس اثنا میں دو مرتبہ سیدہ کے شوہر پردیس سے آئے لیکن ان کو بالکل علم نہ ہوا کہ بیوی نے لکھنا پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اب موجودہ استانی کا علم ختم ہو چکا تھا لیکن سیدہ کا شوق باقی تھا اس نے ایک دوسری بیوی کو پندرہ روپے ماہوار پر ملازم رکھا۔ یہ شہر کے زنانہ اسکول میں ہیڈ معلمہ تھیں۔ شام کو ۵ بجے آتیں

اور شب کے ۸ بجے پڑھا کر چلی جاتیں۔ سیدہ کو جو خرچ ملتا تھا اسمیں سے پندرہ روپیہ ماہوار اس مدمیں خرچ کرنیکی گنجائش نہ تھی۔ اس نے اپنا ایک زیور فروخت کر کے ان مصارف کو جاری رکھا۔ اس معلمہ سے سیدہ نے اردو کے علاوہ کچھ فارسی اور کچھ انگریزی بھی پڑھی اور دو سال کے عرصہ میں اسکی لیاقت بہت اچھی ہو گئی کیونکہ وہ رات دن نوشت و خواند میں مصروف رہتی تھی۔ اس کا خط اتنا پاکیزہ تھا کہ مردوں کو شرماتا تھا۔ ایک دن سیدہ کسی محفل میں گئی ہوئی تھی کہ ایک بیوی کے پاس ایک زنانہ اخبار اسے نظر آیا وہ اس نئی چیز کو دیکھکر بہت خوش ہوئی اس نے وہ اخبار اپنے نام بھی جاری کرالیا۔ اخبار میں عورتوں کے مضامین پڑھکر اسے خود مضمون لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ اس نے مضمون نگاری کی کافی مشق بہم پہنچائی اس اخبار میں وقتاً فوقتاً دیگر اخبارات کا بھی ذکر ہوتا ہے اس نے ان اخبارات کو بھی اپنے نام جاری کرالیا۔ اور ان کے مطالعہ سے اس کا دماغ ساری دنیا سے باخبر رہنے لگا۔ اب وہ مردانہ اخبارات میں بھی مضمون لکھنے لگی۔ ایک دن اتفاق سے اس کا ایک مضمون سید حامد صاحب نائب تحصیلدار یعنی سیدہ کے شوہر کی نظر سے گذرا۔ وہ بیوی کا نام دیکھکر حیران رہگئے۔ جب مکان پر آئے تو اس مضمون کا ذکر کیا۔ سیدہ نے مسکرا کر کہا کہ ہاں وہ مضمون میں نے لکھا ہے۔ سید حامد نے کہا کہ تم تو لکھنا پڑھنا جانتی نہیں مضمون کیونکر لکھا۔ سیدہ نے جواب دیا کہ آپ تین سال سے پردیس میں ہیں، میں اپنا وقت نوشت و خواند میں بسر کرتی ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنی تعلیم کی مفصل سرگذشت سنا کر شوہر کو حیرت زدہ کر دیا۔ اگر سیدہ کے دل میں ترقی کا ولولہ پیدا نہ ہوتا تو وہ تین سال کیا تیس سال گزرنے پر بھی ویسی ہی کندہ ناتراش رہتی جیسی پہلے دن تھی۔

مردوں کی نسبت عورتیں وقت ضائع کرنے میں زیادہ مشاق ہیں۔

اگر عورتوں کو اپنی اس بربادی کا احساس پیدا ہو جائے تو وہ اپنے خاندان کے لئے کس قدر مفید ہو سکتی ہیں اور کیسی آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو بدرجہا قیمتی بنا سکتی ہیں۔

روپے کا صرف

مفلسوں، مقروضوں اور ناداروں کو جن کا جگر غم سے فگار اور دماغ تفکرات سے بیکار ہو رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ صرف ایک غلطی نے ان کی زندگی بے لطف کر دی ہے۔ اگر اب بھی وہ اس غلطی کی اصلاح کر لیں تو باقی ماندہ عمر آرام سے گزر سکتی ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ انہیں اس بات کا امتیاز نہیں کہ کونسی چیز کی ان کو ضرورت ہے اور کونسی چیز ان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ ایک غیبی فرشتہ بار بار ان کے کان میں کہتا ہے کہ "انچہ مادر کار داریم اکثرے در کار نیست" لیکن وہ اس آواز پر توجہ نہیں کرتے اور ناداری کے بھنور میں ڈوبے چلے جاتے ہیں۔

دیوجانس کلبی نے جب دنیا کو ترک کیا اور تمام ساز و سامان اور لوازم و تکلفات سے کنارہ کشی اختیار کی تو کاٹھ کا ایک پیالہ اپنے ہمراہ لے لیا۔ تاکہ جب پیاس ستائے یا کوئی اور ضرورت پیش آئے تو اس پیالہ سے کام لے چند روز کے بعد اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اور پیالے کی طرح گہرائی بنا کر پانی پی لیا۔ اس واقعہ سے دیوجانس کو بڑی عبرت ہوئی اس نے اپنی نادانی پر بہت افسوس کیا کہ یہ تدبیر پہلے ہی سے میری سمجھ میں کیوں نہ آئی بہر حال اس نے کاٹھ کا پیالہ بغل سے نکال کر پھینک دیا اور پھر کبھی کوئی چیز اپنے

پاس نہیں رکھی۔ وہ ترک دنیا کے بعد مدتوں زندہ رہا اور اس سے ظاہر ہے کہ جس کا نام ضرورت ہے وہ صحیح معنوں میں انسان کو بہت کم پیش آتی ہے۔

بغداد کے ایک بزرگ جس جگہ رہتے تھے وہاں آگ لگ گئی لوگ سخت پریشان تھے۔ ہر شخص اپنا اپنا سامان آگ سے بچانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ بزرگ موصوف نے اپنی دونوں کھڑاویں سنبھالیں اور گھر سے باہر نکل آئے۔ ناعاقبت اندیش دنیاداروں کی پریشانی دیکھکر مسکرائے اور یہ جملہ زبان پر لائے "نجا المخففون وهلك المثقلون" یعنی جو لوگ سبکسار تھے وہ بچ نکلے اور جو لوگ گرانبار تھے وہ برباد ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ضرورت کا لحاظ رکھا جائے اور آدمی غیر ضروری چیزوں سے علیحدہ رہے تو یہ سبک باری اس کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔ یہ دنیا بالکل ایک مسافرخانہ ہے۔ ہر شخص کو سفر اور دائمی سفر درپیش ہے جو ایک دفعہ آگیا وہ جاکر دوبارہ نہیں آتا۔ اس بڑے سفر کا اندازہ معمولی روزمرہ کے سفر سے کرنا چاہئے۔ جو لوگ ریل میں بہت سامان لیکر بیٹھتے ہیں ان کو کیسی دقتیں پیش آتی ہیں۔ جن کے پاس اندازہ مقررہ سے زیادہ سامان ہوتا ہے ان کی دار وگیر کی جاتی ہے۔ پس دنیوی سفر کے سامان کا بھی ایک اندازہ مقرر ہے اس اندازہ سے زیادہ سامان رکھنا مشکلات میں مبتلا کرتا ہے۔ کوئی شخص دولتمند اور خوشحال ہو یا مفلس و نادار ہو ہر حالت میں اس بات کا خیال نہ رکھنا اور ضروری و غیر ضروری میں امتیاز نہ کرنا اس کے لئے بربادی کا باعث ہے۔

اگر کوئی شخص دولتمند و خوشحال نہیں بنتا تو اس کا سبب صرف یہی ہے کہ وہ اپنی آمدنی غیر ضروری مدوں میں خرچ کرتا ہے۔ اگر کوئی دولتمند غریب و نادار ہو جاتا ہے تو اس کا باعث اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس نے ضروری

اور غیر ضروری مصارف میں امتیاز نہیں کیا۔ جو لوگ مقروض اور پیسہ پیسہ کو محتاج ہیں ان کے صحیح حالات معلوم کرنے کے بعد انسان اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ انہوں نے ناعاقبت اندیشی کے ساتھ روپیہ صرف کیا اور یہی ان کی بربادی و تباہی کا سبب ہوا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر تم غیر ضروری اشیاء کی خریداری میں روپیہ صرف کروگے تو ایک دن ایسا آئیگا کہ ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے تمہارے پاس روپیہ نہ ہوگا۔

دنیا میں ہر شخص دیوجانس کلبی کی طرح مجذوبانہ زندگی بسر نہیں کرسکتا، اور کوئی شخص اس طرح بھی نہیں رہ سکتا کہ دو کھڑاؤں کے علاوہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔ ایک متمدن انسان جو دنیا میں سب کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے سبھی قسم کی ضرورتیں رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ضروری اور غیر ضروری کا امتیاز باقی رہتا ہے۔ اس کا فیصلہ نہایت آسانی کے ساتھ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب تم کسی چیز کی خریداری کے لئے آمادہ ہو تو پہلے اس بات پر غور کرو کہ اس چیز کے بغیر عزت و آبرو صحت اور وجاہت ظاہری کو کچھ نقصان تو نہیں پہنچتا اور اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر عقل فتویٰ دے کہ چل سکتا ہے تو اس چیز کو کبھی نہ لو۔ خواہ نفس کیسی ہی ترغیب دے۔ اور اگر عقل کا فتویٰ ہو کہ کام نہیں چل سکتا تو پھر اسے خرید کرو۔ اور یاد رکھو کہ اسکی خریداری نقصان کی جگہ تمہاری منفعت مزید کا باعث ہوگی۔

اگر ہر شخص اس اصول پر کاربند ہو جائے تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے مصارف کو بہت کچھ کم کرسکتا ہے اس اصول پر عمل کرکے نادار زردار اور تنگدست خوش حال بن سکتے ہیں۔ آپ ایک مہینہ عمل کرکے دیکھئے کہ آپ کی مالی حالت میں کیا تغیر پیدا ہوتا ہے۔

کسب کمال

حکیم مولوی نصیر الدین جو اس وقت اپنے شہر کے زبردست عالم شمار کئے جاتے ہیں پچیس سال کی عمر تک معمولی اردو خواں تھے اور کچھ شد بد فارسی جانتے تھے ایک پرائیویٹ دفتر میں پندرہ روپے ماہانہ کے ملازم تھے۔ تعلیم کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک دن گھر کے کنویں میں ایک چوہا گر پڑا اور ڈول میں اسکی پھولی ہوئی نعش برآمد ہوئی۔ گھر کے جس قدر برتن تھے ان کا پانی پھینکا گیا۔ بیچارے غریب آدمی تھے گھر میں کوئی نوکر نہ تھا۔ عورتیں پانی کے بغیر پیاسی اور پخت و پز کے کاموں سے مجبور بیٹھی تھیں۔ جب مولوی صاحب جو اس وقت مولوی نہ تھے، گھر میں آئے تو یہ حال معلوم ہوا۔ خود بھی ہاتھ منھ دھو کر ناشتہ کرنا چاہتے تھے تاکہ دن بھر کی کوفت دور ہو۔ لیکن پانی کہاں۔ گھبرا کر عورتوں سے پوچھا گیا کرنا چاہیے۔ عورتوں نے کہا کہ تم بتاؤ کہ پانی کے کتنے ڈول کوئیں سے نکالے جائیں انہوں نے کہا مجھے تو خبر نہیں۔ آخر طے ہوا کہ محلہ میں جو میاں جی ہیں ان سے دریافت کیا جائے۔ اتفاقاً میاں جی کہیں گئے ہوئے تھے۔ مجبوراً ایک اور مشہور عالم کے پاس گئے وہ ایک سرے سے شہر ہی میں نہ تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے آٹھ بجے محلہ کے میاں جی سے ملاقات ہوئی اور ان سے مسئلہ پوچھکر کنواں پاک کیا گیا۔ اور رات کے بارہ بجے گھر والوں کو کھانا نصیب ہوا۔

اس واقعہ سے مولوی صاحب کا دل بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے

اپنے جی کہا کہ ہم بھی مسلمان ہیں کہ اپنے مذہب کے ضروری مسائل سے بھی واقف نہیں اور ان باتوں کو بھی نہیں جانتے جن کی ضرورت روزمرہ واقع ہوتی ہے۔ دوسرے دن اتفاق سے تنخواہ ملنے کا دن تھا۔ تنخواہ جو ملی تو وہ گھر آنے سے پہلے بازار گئے اور مسائل مذہبی کی ایک اردو کتاب خرید کی مہینہ بھر اس کا مطالعہ کیا۔ اس کے مسائل اچھی طرح یاد کئے۔ دوسرے مہینہ جب تنخواہ ملی تو ایک کتاب اور خرید کی اور اس کا مطالعہ بھی مہینہ بھر جاری رکھا دو کتابیں پڑھکر کتب بینی کا شوق پیدا ہوا۔ غریب آدمی زیادہ کتابیں خرید نہیں سکتے تھے۔ آخر دوستوں اور عزیزوں سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ ہر شخص نے انکی طلب صادق کا لحاظ کیا اور مطالعہ کے لئے ان کو بکثرت کتابیں ملگئیں۔ مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے مطالعہ کا پہلا اثر یہ ہوا کہ وہ پابند نماز بن گئے رمضان کا مہینہ آیا تو روزے بھی مسلسل رکھے وظائف بھی پڑھنے لگے۔ کبھی کبھی تہجد کی نماز بھی ادا کرتے تھے۔ منڈی ہوئی داڑھی بھی شرعی حدوں تک بڑھی وضع قطع میں تبدیلی ہوئی۔ چند روز بے تکلف دوستوں نے مذاق اڑایا لیکن ان کی اخلاقی نیکیاں اور عملی خوبیاں دیکھکر سب کو خاموش و معترف ہونا پڑا۔

دو سال کی متواتر کتب بینی نے مولوی نصیر الدین کے دماغ کو روشن کردیا ان کی لیاقت اور دیانت سے متاثر ہوکر آقا نے بھی تنخواہ میں پانچ روپیہ کا اضافہ کردیا اور ان کے لئے کام بھی پہلے سے زیادہ آسان اور عزت کا تجویز کیا۔ اب مولوی صاحب کے دل میں عربی پڑھنے کا بے اختیار جذبہ پیدا ہوا کچھ قدیم کتابیں جمع کیں اور اس مقولہ کے مطابق کہ "شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست" عرصہ تک استاد کی مدد کے بغیر کتابوں کو پڑھکر وہ عربی سیکھتے رہے۔ آخر انہیں اتفاق سے ایک شفیق استاد مل گیا اور دو سال کی شدید

محنت میں انہوں نے ضرورت کے لائق واقفیت حاصل کرلی جس دفتر میں وہ ملازم تھے اسکی ایک شاخ دہلی میں تھی انہوں نے کوشش کرکے دہلی میں اپنا تبادلہ کرالیا۔ دہلی پہنچکر باقاعدہ حدیث کے درس میں شامل ہوئے۔ فقہہ کی کتابیں پڑھیں معقولات میں چند کتب پڑھیں۔ پھر رفتہ رفتہ دیگر علوم میں تھوڑی تھوڑی استعداد بہم پہنچائی۔

پانچ چھ سال کی متواتر کوشش نے مولوی نصیر الدین کو کہیں سے کہیں پہنچادیا اب وہ ایک زبردست عالم تھے۔ ان کا حافظہ قوی اور ذہن رسا تھا مشکل سے مشکل کتاب کو اس طرح پڑھاتے تھے گویا انکی تصنیف ہے اسقدر تحصیل علم کے بعد مولوی صاحب کو ایک آزاد ذریعہ معاش کی فکر ہوئی۔ کیونکہ ایک عالم کی شان ملازمت سے بالاتر ہے۔ پس انہوں نے دہلی کے قیام کو غنیمت سمجھکر طب کی تعلیم شروع کردی۔ اس زمانہ میں بڑے بڑے لائق اور فاضل طبیب دہلی میں موجود تھے انہوں نے ان کے تجارب وکمالات سے کماحقہ فائدہ اٹھایا۔ اور صرف تین سال کے عرصہ میں طب کی باقاعدہ سند لے کر اپنے وطن کو چلے آئے۔ چونکہ عالم باعمل اور نہایت نیک نیت متقی و پرہیزگار تھے اللہ تعالےٰ نے ہاتھ میں شفا عطا کی۔ خلقت رجوع ہوئی رفتہ رفتہ مطب خوب کامیاب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بہت تھوڑے عرصہ میں ان کو معاش کی طرف سے فارغ اور مطمئن کردیا۔ مولوی نصیر الدین صاحب کی مثال ان لوگوں کے لئے قابل توجہ ہے جو ذاتی ترقی کے دلدادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ فقیرپستی سے نکلکر عروج وکمال کی بلندیوں پر پہنچ جائیں۔

مصاحبت

ملازمت کے سلسلہ میں ایک مشغلہ یا ایک منصب ہے جس کا نام مصاحبت ہے۔ دولت جب ضرورت سے زیادہ میسر آجاتی ہے تو متمول اشخاص اپنے دست و پا کا آرام و تحفظ ہی نہیں چاہتے بلکہ اپنے ذہن و دماغ کی آسائش و راحت کے لئے بھی کچھ روپیہ صرف کرتے ہیں۔ دماغی آسائش یا تفریح یا آرام و سکون بہم پہنچانے والے ملازمین کا دوسرا نام مصاحب ہے۔ مصاحب کا درجہ ملازم سے کسی قدر ارفع ہوتا ہے کیونکہ اسے ہر وقت آقا سے قرب و اختصاص حاصل ہوتا ہے۔ اور اس قرب کی وجہ سے وہ آقا کی ہزارہا کمزوریوں کا رازدار و کفیل بنجاتا ہے۔ علاوہ بریں اسے اپنے آقا کے ساتھ نشست و برخاست میں ایک حد تک آزادانہ و مساویانہ حق بھی حاصل ہوتا ہے، لیکن جس قدر ایک مصاحب کے حقوق ہیں اسی قدر اس کا اقتدار خطرہ میں رہتا ہے۔ اور اکثر اوقات "سگِ حضور بہ از برادر دور" کے برخلاف اس کا دل پکار اٹھتا ہے کہ "اگر خواہی سلامت بر کنار است"

ایک مصاحب کے لئے راست گفتار اور حق گو ہونا اتنا ضروری نہیں جس قدر خوشامد، تملق، چاپلوسی اور ہاں میں ہاں ملانے کی مشق اسے درکار ہے۔ اس کے لئے صاحب ضمیر ہونا عموماً مضر ثابت ہوتا ہے۔ وہ مصاحب زیادہ کامیاب رہتا ہے جو ضمیر کو ہلاک کر چکا ہو یا ایک سرے سے ضمیر ہی نہ رکھتا ہو۔ مصاحب کے لئے جاں نثار ہونا اتنا مفید نہیں ہوتا جسقدر جاں نثاری کا یقین دلانے میں ماہر ہونا۔

مثلاً شیر کے حملہ کے وقت اگر وہ شیر کی زد میں سینہ سپر ہو کر چلائے گا تو اپنی جان کھو بیٹھے گا۔ لیکن اگر وہ آقا کے پس پشت پناہ لینے کی کوشش کریگا تو ممکن ہے اپنے آپکو محفوظ رکھ سکے۔ ایک مصاحب کے لئے دیانت بھی چنداں ضروری نہیں۔ البتہ اگر اس میں بُرا بھلا سُنکر خاموش رہنے کا مادہ نہیں ہے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں رہ سکتا۔

ان سب باتوں کے باوجود مصاحب کے فرائض انجام دینا آسان نہیں ہیں۔ اور ایک مصاحب کی نوکری ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہے۔ وہ علم النفس کا پورا ماہر ہونے کے باوجود دیکھتا ہے کہ "گاہے بسلامت برنجبد وگاہے بدشنامے خلعت دہند" کا مقولہ ہر لحظہ اس کے آقا پر صادق آتا ہے۔ وہ انتہائی خوشامدی ہونے کے باوجود کبھی نہ کبھی جوش میں آکر حق بات بھی کہہ جاتا ہے جو عموماً اس کے لئے زوال کا باعث ہوتی ہے۔

بعض ناعاقبت اندیش مصاحب ایسے بھی ہیں کہ آقا کو اپنی طرف متوجہ دیکھکر آپے میں نہیں رہتے اور مغرور ہو کر دوسروں کی طرح آقا سے بھی بے پرائی کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بغیر سلطنت یا ریاست یا تعلقہ داری کا کام نہیں چل سکتا اور ہم ایسے باکمال ہیں کہ اگر دربار میں نہ جائیں گے تو رئیس خوشامد کر کے لیجائے گا۔ ممکن ہے کہ کبھی یہ خیال صحیح بھی ثابت ہو لیکن عموماً موجب بربادی ہوتا ہے۔ مصاحبوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مرا کا حافظہ اس معاملہ میں کچھ زیادہ قوی نہیں ہے۔ مصاحبوں کے ساتھ ان کی وابستگی صرف اسقدر ہے کہ وہ اپنی دماغی تفریح کے طالب ہیں۔ پس اگر یہ تفریح کسی دوسرے شخص یا کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہو گئی تو وہ ایک مغرور مصاحب کی پروا نہیں کرتے اور مغرور مصاحب چند روز میں

فاقہ کشی کی منزل تک جا پہنچتے ہیں۔ ایک مصاحب اور ایک امیر کا تعلق بالکل اس شعر کے مصداق ہے کہ ؎

مرا بدست نیاید چو تو نگار نگار
ترا بدست بیاید چو من ہزار ہزار

ایک امیر کی مصاحبت تلوار کی دھار پر چلنے سے کم دشوار نہیں ہے اور اس شریف پیشے کے لیے صرف وہ لوگ تیار ہوتے ہیں جو ہر طرح کا کمال اپنے اندر رکھنے کے باوجود محنت کی خو نہیں رکھتے یا وہ لوگ اس طرف توجہ کرتے ہیں جو افلاس و غربت میں امیری کے ٹھاٹھ دکھانا چاہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے وہ امراء کی مصاحبت کرتے ہیں اور جو لوگ امرا کی مصاحبت کرتے ہیں وہ دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔

تجلی

مسلمانوں کو ترقی کی عملی تدابیر بتانیوالا ماہانہ رسالہ

مولانا سید ظہور احمد صاحب شاہجہانپوری کی ایڈیٹری میں

ہر مہینے حسب ذیل مضامین شائع ہوتے ہیں

(۱) عبد و معبود (۲) تفسیر قرآن مجید (۳) حقائق و معارف (۴) مذہب اخلاق اور تصوف کے متعلق دل نشین مضامین (۵) سرور عالمؐ کی معاشرت (۶) اولیاء اللہ کی معاشرت (۷) احباب و اقربا کے متعلق مضامین (۸) میاں بیوی کے متعلق مضامین (۹) تربیت اولاد کے متعلق خاص مضامین (۱۰) ملازمت پیشہ کیونکر ترقی کر سکتے ہیں (۱۱) تجارت میں کیونکر کامیابی حاصل کی جائے (۱۲) آمدنی بڑھانیکے وسائل (۱۳) ترقی کی صورتیں (۱۴) خیالات و مشاہدات (۱۵) ناظرین کو مشورے (۱۶) دلچسپ ادبی مضامین و موثر افسانہ۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ اس رسالہ کا کوئی مضمون آپ کی زندگی میں خوشگوار انقلاب پیدا کر دے

ہفت رنگ خوشنما ٹائیٹل پر روضۃ النبی کا فوٹو

نمونہ مفت — قیمت سالانہ عار

المشتہر منیجر رسالہ تجلی دہلی